Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 14/•شمارہ 12/•جولائی/2025

ماہنامہ

# فہمِ دین

خوش رہنا بھی ایک فن ہے

نیا سال مبارک

## ہجرت میں سبق

حلیم کا غبار

پانچ چراغ

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

# BAITUSSALAM TECH PARK

BAITUSSALAM TECH PARK

## بیت السلام ٹیک پارک

## فری آئی ٹی کورسز

# FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہنامہ
# فہمِ دین
کراچی
محرم / صفر 1447ھ | جولائی 2025ء


## فہم وفکر
ہجرت مدینہ اور اسلامی کیلنڈر — مدیر کے قلم سے — 04

## اصلاحی سلسلہ
فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 08

## مضامین
خود احتسابی کا موقع — حفصہ فیصل — 10
خوش رہنے کا فن — حکیم شمیم احمد — 11
مسائل پوچھیے اور سیکھیے — مفتی محمد توحید — 14
خواتین کے حقوق — حجاب سید — 15
فراستِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — دانیال حسن — 18
سیرت نبوی میں ماحولیاتی مسائل کا حل — ثوبیہ اللہ رکھا — 19
کتاب کا سفر — عذرا خالد — 21

## خواتینِ اسلام
بلاعنوان — ندا اختر — 22
دعا کی تعبیر — انیسہ عائش — 23
فشارِ خون — حفصہ سلطان — 24
آہ! — ملائکہ سلیمان — 24
پانچ چراغ — ہانیہ عبد الشکور — 26
لفظ خار بھی مرہم بھی — عینا عمیر شیخ — 27
یقین کامل — راحیلہ خان — 28
حضرت عمر رضی اللہ عنہ — ارسلان اللہ خان — 28
حلیم کا غبار — ام سلمان — 30
بچھڑی سہیلی — امیمہ حماد — 31
اسکرین سے رشتہ — مریم رضوان — 33

## باغیچہ اطفال
اللہ کا دوست — ڈاکٹر الماس روحی — 35
نیکی — آمنہ عبد الباسط — 36
وفادار کبوتر — غلام فرید کمبوہ — 37
ناشکری کا غلاف — میر جواد — 38

## بزمِ ادب
ہجرت مدینہ — حافظہ وسطی چودھری، حافظہ سویرا چودھری — 42

## اخبار السلام
اخبار السلام — ادارہ — 50


زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: قاری عبد الرحمن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقام اشاعت: دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

# ہجرتِ مدینہ اور اسلامی کیلنڈر

1447ھ کا آغاز ہو گیا ہے، یعنی اب سے ایک ہزار چار سو چھیالیس سال پہلے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کی سربلندی، ریاستِ طیبہ کے قیام، چہار دانگِ عالم میں اللہ تعالیٰ کے پسند فرمودہ مذہبِ اسلام کا پیغام پہنچانے اور مسلمانوں کی معاشی ترقی واستحکام کے لیے مکہ جیسے عظیم شہر کو چھوڑا۔ آج اطرافِ عالم سے مسلمان جس گھر کی زیارت کے لیے لاکھوں روپے خرچ کرتے اور دیوانہ وار لپکتے ہیں، جس شہر میں اللہ جل جلالہ کا گھر خانہ کعبہ سے موسوم ہے، دنیا بھر کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے سب سے افضل عبادت نماز ادا کرتے ہیں، اُس شہر سے رسول اللہ ﷺ رات کی تاریکی میں اپنے ایک رفیق خاص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں ہی وہ اسباب مہیا فرما دیتے، جو اسلام کی تقویت اور نشر و اشاعت کے لیے ضروری تھے، مشرکینِ مکہ سے جنگ اور جہاد کی اجازت بھی مل سکتی تھی، واقعہ ہجرت سے 53 سال پہلے ایک بدمست بادشاہ ہاتھیوں کا لشکر لیے خانہ کعبہ ڈھانے آیا تھا، تب بھی تو قدرت نے وہ انتظام فرمایا تھا، جس کو سن کر ہی ایمان و یقین کی کیفیت عجیب سے عجیب تر ہو جاتی ہے، بھلا جنھوں نے اپنی آنکھوں سے ان ہاتھیوں کو بُھس بنتے دیکھا ہوگا، ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرما سکتے تھے کہ قریشِ مکہ پر ہیبت طاری ہو جاتی، رسول اللہ ﷺ کی ایک آواز سے سب کے دل نرم بھی ہو سکتے تھے اور ایک اشارے پر سب ملیا میٹ بھی ہو سکتے تھے، لیکن مشیت ایزدی یہ نہیں تھی۔

اللہ ربّ العلمین کی مشیت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی جد و جہد قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے مشعلِ راہ اور نمونہ ہو، اگر ہاتھی والوں جیسا حشر اور برتاؤ قریشِ مکہ کے ساتھ کر دیا جاتا تو قیامت تک آنے والے انسان بھی ہاتھ پاؤں چھوڑ کے بیٹھ جاتے، کوئی کوشش نہ کرتے اور بس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی ہی مدد کے منتظر ہوتے، لیکن مسلمانوں کو پہلے 13 سال تک وہ مظالم برداشت کرنا پڑے جو قریشِ مکہ کے بس میں ممکن تھے اور پھر گھر بار وطن چھوڑنے کا حکم آ گیا اور یہ ہجرت کوئی ایسا آسان کام نہ تھا کہ بس ارادہ کر لیا اور نکل گئے، اس ہجرت سے روکنے کے لیے بھی قریشِ مکہ نے اپنا پورا زور لگایا۔ صحابہ کرام نے ہجرت کے لیے مکہ جیسا محبوب شہر چھوڑنے کے ساتھ کیسی کیسی مشقت اور تکلیفیں برداشت کیں، تاریخ اسلام کے اوراق پر اس کے انمٹ نقوش آج بھی قائم ہیں اور قیامت تک مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

ہجرت کے بعد صرف آٹھ سال میں رسول اللہ ﷺ کو وہ طاقت و قوت، وہ شان و شوکت ملی کہ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ پہنچ گئے اور مکہ والوں کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوئی، جب کہ صرف دو سال پہلے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے تشریف لائے تھے، لیکن قریشِ مکہ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا اور حدیبیہ کے مقام پر وہ مصالحت طے پائی جسے «صلح حدیبیہ» کہا جاتا ہے اور اس صلح حدیبیہ میں بہ ظاہر مسلمان مغلوب نظر آئے، لیکن اس کے نتائج ایسے حیرت انگیز نکلے کہ محض دو سال بعد فتح مکہ نصیب ہوئی، جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین سے تعبیر فرمایا۔

ہجرتِ مدینہ کو تاریخ اسلام میں جو عظمت، جو شان حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشِ مبارک سے ہوا نہ ہی آپ کو نبوت ملنے کا وقت اسلامی تقویم کا آغاز بنایا گیا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے اجماع کے ساتھ فیصلہ کیا کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہجرت سے رکھا جائے۔

یوں تو سورج و چاند دونوں اللہ کی مخلوق ہیں، نماز جیسی عظیم عبادت کے لیے وقت کا تعین سورج کی گردش سے ہے، لیکن سورج کے نظام سے مربوط کیلنڈر کو اسلامی تقویم قرار نہیں دیا گیا، اگرچہ اس نظم کے تحت تاریخوں اور مہینوں کا استعمال بھی بلاشبہ درست ہے، لیکن مسلمان اسلامی تقویم کو ہی بھول جائیں اور قمری کیلنڈر کو صرف رمضان کے روزوں، عیدین اور حج کی عبادت کے ساتھ خاص کر کے اس کا استعمال ہی ترک کر دیں اور عام زندگی میں انھیں پتا ہی نہ ہو، کب نیا مہینہ شروع ہوا، کب نیا سال شروع ہوا۔ بہت بڑی بد نصیبی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دوسری بہت ساری دعائیں تعلیم فرمائیں وہیں، نیا چاند دیکھنے پر دعا تلقین فرمائی:

اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ

اے اللہ! اس کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ نکال، اے چاند! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

ہمیں چاہیے ہر ماہ کا چاند دیکھنے کا اہتمام کیا کریں، چاند نظر آنے پر مسنون دعا پڑھا کریں، ہجری کیلنڈر کو اپنے پاس رکھیں اور اپنی نجی دستاویزات، خوشی غمی کی یادداشتیں مرتب کرتے وقت اسلامی تاریخ لکھنے کا بھی اہتمام کریں، اپنے بچوں کو اسلامی مہینوں کے نام یاد کروائیں، وقتاً فوقتاً ان کا اس بابت امتحان لیں، مہینوں کے نام یاد ہونے اور تاریخیں یاد رکھنے پر انھیں انعام دیں، تاکہ کسی نہ کسی درجے میں اسلامی تقویم کا استعمال ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ 1447ھ کو پورے عالمِ اسلام کے لیے مبارک فرمائیں، کفار پر غلبہ عطا فرمائیں، خصوصاً وطن عزیز پاکستان کی شان و شوکت اور یہاں نفاذ اسلام کے لیے اس سال کو مقدر فرمائیں، آمین یارب العالمین!

# فہمِ قرآن

الانعام 81-90

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ 81

ترجمہ: اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں اُن سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم اُن چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے، جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ 81

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ 82

ترجمہ: (حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور اُنھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، امن اور چین تو بس اُنہی کا حق ہے اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔ 82

تشریح نمبر 1: ایک صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس آیت میں لفظ "ظلم" کی تشریح شرک سے فرمائی ہے، کیوں کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ 83

ترجمہ: یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارے رب کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے۔ 83

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ 84

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی اور اُن کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ 84

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ 85

ترجمہ: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہدایت عطا فرمائی، یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ 85

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ 86

ترجمہ: نیز اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ 86

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 87

ترجمہ: اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو اور ہم نے ان سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچا دیا تھا۔ 87

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 88

ترجمہ: یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے۔ 88

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ 89

ترجمہ: وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروانہ کرو، کیونکہ) اس کے ماننے کے لیے ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔ 89

تشریح نمبر 2: مشرکینِ عرب نبوت و رسالت ہی کے منکر تھے۔ اُن کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ان کی اولاد میں جو پیغمبر گزرے ہیں اُن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو تو عرب کے بُت پرست بھی مانتے تھے۔ اُن سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ہو سکتے ہیں اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے اور آں حضرت ﷺ کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے میں آخر کون سی اشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکے ہیں۔

تشریح نمبر 3: اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ 90

ترجمہ: یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر ہوا) وہ تھے، جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، للٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، یہ تو دُنیا جہان کے سب لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے اور بس۔ 90

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

# فہم حدیث

## مقتدیوں کی رعایت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ (رواه البخاري و مسلم)

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیوں کہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لیے طویل نماز باعثِ زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**تشریح:** بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنے قبیلے یا حلقے کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے، اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے، جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا منشا اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہیے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لیے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے، وہی امت کے لیے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اس کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہیے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلٰوةً وَلَا أَتَمَّ صَلٰوةً مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ (رواه البخاری و مسلم)

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے ہلکی اور ساتھ ہی مکمل ہو، (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آپ سُن لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے، اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بیچاری کی نماز خراب ہو)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**تشریح:** امام کے لیے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی سُبک بھی ہو اور ساتھ ہی مکمل اور تام بھی۔ یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو۔

## مقتدیوں کو ہدایت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ (رواه البخاري)

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ ولا الضآلّین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم الھم ربنالک الحمد کہو۔ (صحیح بخاری)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزا میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہیے، کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہیے۔

عَنْ عَلِيٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْإِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ (رواه الترمذی)

**ترجمہ:** حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حال میں ہو، (یعنی قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہیے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئًا وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ (رواه ابو داؤد)

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا، اُس نے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی۔ (سنن ابی داؤد)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً عطا فرمائیں گے، لیکن یہ سجدہ قائم مقام نہ ہو گا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہو گا۔

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

# Signature Sauces

MADE WITH
LOVE
CROWNED BY THE
NATION

PAKISTAN'S
NO. 1
*SAUCES

EVERY POUR TELLS A

*Different Story*

*Foresight Household Panel 2024

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

# ہجرت میں سبق

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرّم کی دس تاریخ کو عُرفِ عام میں عاشورہ بھی کہتے ہیں۔ ہمارا دین اس عاشورہ کے بارے میں دو چیزوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ایک تو اس دن اہلِ اسلام روزہ رکھ لیں، رکھنے میں ثواب ہے نہ رکھیں تو کوئی گناہ نہیں، جب آپ کو بتلایا گیا کہ اس دن مدینے کے یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہودیوں کے ساتھ شباہت اختیار نہیں کر سکتا اور اپنی امت کو بھی تلقین فرمائی کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تمہاری مشابہت نہیں ہونی چاہیے۔ روزہ رکھنا ایک عبادت ہے، لیکن اللہ کے نبی کی غیرت اسے بھی برداشت نہیں کرتی کہ میرا دین یہودیوں کے ساتھ مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا: آیندہ سال زندہ رہوں گا تو نویں کو بھی روزہ رکھوں گا، اب اگر کوئی شخص نویں یا گیارہویں کو ملا کر دو روزے رکھے تو ٹھیک ہے، ورنہ صرف دسویں محرّم کا روزہ نہ رکھے اور اس کی وجہ مسلمانوں کو یہود کی مشابہت سے روکنا ہے۔

دوسری بات عاشورہ کے بارے میں بتایا کہ اس دن تم سے ہو سکے تو اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت اختیار کرو، ہاتھ کھلا رکھو، سخاوت سے کھانا کھلاؤ، کھاؤ اس کو فرمایا اور فرمایا اس سے اللہ آپ کے پورے سال کی روزی میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میرا تو تجربہ ہے، میں نے ایسا کیا تو اللہ نے میرے پورے سال میں روزی میں برکت عطا فرمائی۔" اس عاشورہ کے متعلّق صرف یہ دو چیزیں ہیں، باقی کچھ بھی نہیں ہے۔ واقعہ کربلا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے جانے کے 60 سال کے بعد پیش آیا تھا۔ کربلا کی دردناکی میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس عاشورہ کی حرمت کا تعلّق پہلے سے ہے۔

اسلامی سال کا آغاز ہجرت سے ہے۔ آج مغرب کی تہذیب ایسی غالب ہے کہ ہماری نئی نسل کو پتا ہی نہیں کہ مسلمانوں کا سال شروع کب ہوتا ہے؟ ختم کب ہوتا ہے؟ اور اسلامی مہینوں کے نام کیا ہیں؟ اور اسلامی تاریخ کب تبدیل ہوتی ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت، آپ کو نبوت ملنے کے وقت یا آپ کی وفات کے دن سے اسلامی کیلنڈر کا آغاز نہیں کیا گیا، بلکہ ہجرت کے واقعے سے اسلامی کیلنڈر شروع کیا گیا اور ہجرت کو اس لیے بنایا گیا کہ ہجرت اسلام کے غلبے کا اور اسلام کی اشاعت کا اور اطرافِ عالم میں پھیلنے کا ذریعہ بنی ہے۔ اسی کے بعد جہاد کی اجازت ملی، ورنہ مکّہ میں تکالیف برداشت ہو رہی تھیں، دکھ اٹھائے جا رہے تھے، زخم کھائے جا رہے تھے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت ہو رہی تھیں، حکم تھا ہاتھ نہیں اٹھانا۔ ہجرت ہوئی اب اجازت ہوئی کہ اب جواب دو، اسی سے اسلام کا غلبہ شروع ہوا۔ اسلام کی حفاظت، اشاعت شروع ہوئی۔ اسلامی سال کا آغاز واقعہ ہجرت سے ہے، تاکہ جب بھی مسلمان تاریخ لکھے، ہجرت کا واقعہ، پس منظر اور ہجرت کے بعد سے اسلام کی شان و شوکت اس کے ذہن میں تازہ رہے، اگر مسلمانوں کی تہذیب کا غلبہ ہوتا تو مسلمان اپنے ہر خط اور دستاویز میں اسلامی تاریخ لکھتے۔

ہجرت دراصل بہت بڑا سبق ہے۔ ہجرت اِس کائنات کی سب سے بڑی شخصیت اور اس امّت کی سب سے بزرگ ترین ہستیاں محمد رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے، وہ کارنامہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنا وطن چھوڑا، اپنی دولت چھوڑی، اپنی تجارت چھوڑی، اپنے گھر بار چھوڑے، اپنی زراعتیں چھوڑیں، اپنا خاندان سب ہی کچھ چھوڑ دیا، کیوں چھوڑا ہے؟ ہجرت کیوں ہوئی ہے؟ دل و دماغ میں یہ سبق تازہ رہنا چاہیے کہ اسلام کے مقابلے میں وطن مال کی کوئی حیثیت نہیں، جب یہ سبق بھول جاتا ہے، پھر وطن بھی بُت بن جاتا ہے، پھر دولت بھی بُت بن جاتی ہے، پھر زبان اور قوم یہ بھی بُت بن جاتے ہس، پھر تو علاقہ قومیت یہ بھی ایک بُت بن جاتے ہیں، پھر تو کاروبار یہ بھی ایک بُت بن جاتا ہے۔

ایک مہاجر مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے خوش حال گھرانے کے فرد تھے، بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ دو دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتے تھے، ان کی اماں نے تاجروں سے کہہ رکھا تھا، قیمتی عطر لے کر آنا تو پہلے میرے گھر میں دستک دینا، میرا شہزادہ لگائے گا، پھر مارکیٹ میں لگے گا، قیمتی لباس لانا تو پہلے میرا بیٹا پہنے گا، پھر فروخت کرنا، تمہاری منہ

مانگی قیمت دوں گی۔ ایسا ناز و نعمت میں پلنے والا نوجوان، اللہ کی شان اللہ کے نبی سے تعارف ہو گیا، محبت ہو گئی، صحبت مل گئی، ایمان نصیب ہو گیا، گھر والوں کو پتا چلا باندھ دیا، قید کر لیا، چھپتے چھپاتے نکل گئے، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی، پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی اور زندگی ایسی فقر و فاقہ کی گزاری۔۔۔ سبحان اللہ ! ایک دن اللہ کے نبی ﷺ تشریف فرما تھے، سامنے سے مصعب بن عمیر آتے ہیں، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس لیے کہ پہلے مصعب کا لباس کیسے ہوتا تھا اور آج تو اس کے جسم پر پیوند لگے ہوئے ہیں اور ایک جگہ تو چمڑے کا پیوند لگا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پاس بیٹھنے والوں سے فرمانے لگے: تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا؟ جب تمہارے پاس لباس کی اتنی فراوانی ہو گی، ہر لمحے ایک نیا لباس ہو گا، باہر کا الگ، سونے کا الگ، شادی کا الگ، کلب کا الگ، دفتر کا الگ، شادی کا الگ اور پھر تمہاری دیواریں بھی لباس پہنیں گی، جیسے بیت اللہ پر پردہ لٹکا ہے، ایسے تمہاری دیواریں بھی لباس پہنیں گی، اتنی فراوانی ہو گی اور تمہارے دستر خوان پر ایک ڈش رکھ دی جائے گی، دوسری اٹھائی جائے گی، اتنی فراوانی ہو گی۔ بیٹھنے والوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ) ! بڑا اطمینان ہو جائے گا، بڑی فراغت ہو جائے گی، خوب اللہ کی بندگی اور عبادت کریں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: نا نا ! آج تمہارا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے، ایک وقت آئے گا، تمہارا ایمان تنکوں سے زیادہ کمزور ہو جائے گا۔ جہاں دنیا پرستی آتی ہے، وہاں موت کا خوف آتا ہے، وہاں تنگ دستی کا خوف آتا ہے، جہاں دنیا پرستی آتی ہے، وہاں موت کا خوف آتا ہے، وہاں بزدلی آتی ہے، وہاں کمزوری آتی ہے اور جہاں خدا پرستی آتی ہے، جہاں آخرت کا اور موت کا شوق پیدا ہوتا ہے، وہاں دلیری آتی ہے، وہاں بہادری آتی ہے، وہاں شجاعت آتی ہے، زندگی بے خوف گزرتی ہے، جینا بھی بے خوف ہوتا ہے، مرنا بھی بے خوف ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس مہاجر کا یہ منظر دیکھ کر یہ ساری حقیقت بتادی اور اللہ کی شان یہ مہاجر اور یہ مصعب جو ایسے ناز و نعمت میں پلا ہوا اور ایسے فقر و فاقہ کی زندگی اُحد کے میدان میں اسلام کا جھنڈا اس نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا، کہا: "اسلام کا جھنڈا تیرے ہاتھ میں ہے۔" ایک کافر قریب آیا، ہاتھ کاٹ دیا، اس نوجوان نے وہ جھنڈا دوسرے ہاتھ میں لے لیا، اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو ملالیا، سینے سے لگالیا، جیتے جی زندگی میں اسلام کا جھنڈا گرنے نہیں دیا، اس نے تیر مارا شہید ہو گئے، دوسرے نے اٹھالیا، لیکن اس نوجوان کو دیکھیے جیتے جی اسلام کا جھنڈا گرنے نہیں دیا، شہادت مل گئی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، یا رسول اللہ (ﷺ) ! مصعب شہید ہو گئے ہیں، کفن کوئی نہیں ہے، ایک ہی چادر ہے، سر کی طرف رکھتے ہیں، پاؤں کھلتے ہیں، پاؤں کی طرف رکھتے ہیں، سر کھلتا ہے، فرمایا: سر کی طرف چادر کر دو، پاؤں کی طرف اذخر کے پتے ڈال دو۔ آج بھی شہدائے اُحد۔۔۔ آپ کو بھی اللہ لے کر جاتا ہو گا، وہاں جا کر آپ فاتحہ پڑھتے ہیں، اس میں مصعب بھی لیٹے ہوئے ہیں، اس میدان میں وہ مصعب ہے، جو ناز و نعمت میں پلا ہوا مہاجر بنا، شہادت ملی۔

مسلمانوں کے سال کا آغاز ہجرت سے ہے، تاکہ اپنے بڑوں کا کردار میری نئی نسل کی آنکھوں کے سامنے رہے، اپنی مبارک ہستیوں کی مبارک زندگی نظروں میں رہے، کیوں شہادت کے طلب گار تھے؟ کیوں ہجرت کر رہے ہیں؟ یہ سبق ملا ہے مسلمانوں کو ہر سال کے آغاز میں اور ہر گھڑی اس تاریخ کی لکھی ہوئی ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے جان کیوں دی؟ یہ ساری قربانیاں کیوں پیش کیں؟ کتنے مسلمان ہیں جو اپنی زندگی کا ساٹھ سالہ ستر سالہ پچاس سالہ جو گزارا ہے، ذرا ایک جائزہ تو لے لیں، ہم نے اسلام کے لیے کیا لگایا ہے؟ ہم نے دین کے لیے کیا قربانی دی ہے؟ ہم نے مذہب کو کیا دیا ہے؟ فیکٹری کو دیا ہے۔ کارخانے کو دیا ہے۔ تجارت کو دیا ہے۔ اولاد کو دیا ہے۔ اسٹیٹس کو دیا ہے۔ شہرت کو دیا ہے۔ نام و نمود کو دیا ہے۔ اللہ مبارک فرمائے، لیکن زندگی میں جائزہ یہ بھی تو لیجیے، میں نے دین کو کیا دیا ہے؟ اور میں نے آج تک دینِ اسلام کے لیے کیا کیا ہے؟ میں نے اسلام کی اشاعت کے لیے آج تک کتنا لگایا ہے؟ صلاحیتیں کتنی لگائی ہیں؟ وسائل کتنے لگائے ہیں؟ قربانی کتنی دی ہے؟ بیٹا دیا ہے، اولاد دی ہے، دولت لگائی، عزت قربان کی ہے، وہاں تو عزت بھی قربان ہو رہی ہے، دولت بھی لگ رہی۔ تجارت بھی لگ رہی، گھر بھی لگ رہا، وطن بھی قربان ہو رہا ہے، جان بھی دی جا رہی ہے۔

مکے کا مشرک کہتا تھا، میں تو حاجیوں کی بڑی خدمت کرتا ہوں، سبیلیں لگاتا ہوں، دودھ کی سبیلیں لگاتا ہوں، ستو کی سبیلیں لگاتا ہوں، ٹھنڈے پانی کی۔۔۔ حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور جہاں سے بھی حاجی آتا ہے، سبیلیں لگاتا تھا، پانی پلاتا تھا، ستو پلاتا تھا، لسی پلایا کرتا تھا، دودھ پلایا کرتا تھا اور کہتا تھا مسجدِ حرام کی عمارت ہم نے بنائی ہے۔ اللہ رب العزت کہہ رہا ہے: ایمان کے بغیر اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جو ایمان لائے جان لگادی، مال لگادیا، اللہ کی خاطر ہجرت کر لی، یہ ہیں کامیاب لوگ اللہ کے یہاں۔۔۔ ان کی قدر و قیمت ہے۔۔۔ اس لیے کہ ان کی نظروں میں اسلام کی قدر و قیمت ہے اور اس کی قدر و قیمت اتنی ہے کہ اس کی خاطر اپنی ہر چیز پیش کر دینا مال جان عزت، سعادت سمجھتے ہیں۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر دو صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں دعا کرتے ہیں اور دوسرا اپنے ساتھی کی دعا پر آمین کہے گا۔ ایک سعد بن ابی وقاص ہیں، ایک عبد اللہ بن جحش ہیں رضی اللہ عنہما، پہلے سعد بن ابی وقاص دعا کرتے ہیں کہ "اُحد کا میدان ہے، ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، ایک طرف دشمن کی طاقت ہے اور کفر کی گندگی ہے، مقابلہ سخت ہے، میری دعا قبول کیجیے، ٹکراؤ ہو جائے بہادر کافر ہو، سخت ہو، اس کے اندر مخالفت کی انتہا ہو، وہ مجھ پر حملہ آور ہو، میں اس پر سخت حملہ کروں، پھر میں اس پر غالب ہو جاؤں اور اسے قتل کر دوں اور اس کا مالِ غنیمت حاصل کروں۔" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: آمین ! ! پھر حضرت عبد اللہ بن جحش نے دعا کی کہ "اے اللہ ! دشمن سے مڈ بھیڑ ہو، مقابلہ سخت ہو، وہ زور کا حملہ کرے، میں بھی زور کا حملہ کروں، پھر اس کی طاقت آگے بڑھے اور وہ مجھے مار دے، شہید کر دے اور میرے جسم کے ٹکڑے کر دے، ناک کاٹ دے، کان کاٹ دے، اعضا کاٹ دے اور پھر تیرے دربار میں، میں حاضر ہوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ سعد کیا لے کر آئے ہو؟ پھر میں کہوں: اے اللہ ! تیری خاطر یہ جسم کے ٹکڑے کرا کر لے آیا ہوں اور اے اللہ ! پھر تو کہے کہ "تو سچ کہہ رہا ہے۔"

اُحد کا میدان سجتا ہے۔ عبد اللہ ابن جحش کی دعا ویسے ہی قبول ہوتی ہے، جیسے دعا کی، سعد کی دعا ویسے قبول ہوتی ہے، جیسے سعد نے دعا کی۔ سعد کہتے ہیں: "شام کو میں نے دیکھا میرے ساتھی کے جسم کے ٹکڑے دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں، اسے دیکھ کر میں رشک کرنے لگا، یقیناً میرے ساتھی کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔" ہجرت یہ سبق یاد دلاتی ہے، تمہارے آباؤ اجداد نے دین کی حفاظت، دین کی سربلندی کے لیے مال کیا چیز ہوتی ہے، عزت کیا چیز ہوتی ہے، جان کے ٹکڑے بھی پیش کیے ہیں، سب کچھ برداشت ہے، دینِ اسلام کے اندر کوتاہی آجائے، یہ برداشت نہیں ہے۔ یہ نئے سال کا آغاز ہے ہجرت۔۔۔ اللہ رب العزت اس سبق کو ہمیں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں پوری اسلامی، ایمانی زندگی عطا فرمائے۔ آمین ! !

# نئے اسلامی سال کا آغاز

## خود احتسابی اور تجدیدِ عہد کا موقع

حفصہ محمد فیصل

اسلامی سال کا آغاز ہمیں نہ صرف ایک نئے تقویمی مرحلے کی طرف لے جاتا ہے بلکہ یہ موقع ہوتا ہے کہ ہم اپنی زندگی، اعمال، نیت اور کردار پر نظرِ ثانی کریں۔ محرّم الحرام کا پہلا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وقت بہت قیمتی ہے اور اس کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنے ماضی سے سیکھ کر حال کو سنوارنے اور مستقبل کے لیے بہتر ارادے کرنے کا عزم کرے۔

جیسے ہی نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے، دل میں ایک عجیب سی لہر دوڑتی ہے۔ محرّم کا چاند ہمیں صرف ہجری سال بدلنے کی یاد دہانی نہیں کرواتا بلکہ زندگی کو ایک نئی سمت میں دیکھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ لمحہ ہے رُکنے، سوچنے اور اپنے آپ سے سوال کرنے کا: کیا ہم واقعی اس سال کچھ مختلف کریں گے؟ کیا ہم نے گزرے وقت سے کچھ سیکھا؟

**وقت کی اہمیت:** اسلام وقت کی قدر پر بہت زور دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر وقت کی قسم کھا کر اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (العصر) ”زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے بھی وقت کی اہمیت پر خاص زور دیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (صحیح بخاری)

”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے میں ہیں: صحت اور فارغ وقت۔“

وقت ایسا سرمایہ ہے جو گزرتا تو ہے واپس نہیں آتا اور قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ (سننِ ترمذی)

”قیامت کے دن بندے کے قدم ہلیں گے نہیں، جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے، ان میں ایک سوال اس کی عمر کے بارے میں ہوگا کہ کہاں صرف کی۔“

اگر یہ سچ ہے، بلکہ روزِ روشن کی طرح سچ ہے تو ہم اپنا وقت کیسے گزار رہے ہیں؟ کیا ہم اپنے دن، گھنٹے، لمحے ضائع کر رہے ہیں؟ یا انھیں قیمتی بنا رہے ہیں؟

**خود احتسابی:** نیا سال ایک آئینے کی طرح ہوتا ہے، جو ہمیں دِکھاتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا، وَزِنُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوْزَنُوْا

”اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور اپنے اعمال کو تولو اس سے پہلے کہ وہ تولے جائیں۔“

نئے اسلامی سال کا آغاز بہترین موقع ہے کہ ہم اپنے گزرے سال کا جائزہ لیں:

- ہم نے کتنا وقت اللہ کی عبادت میں گزارا؟
- کتنی نمازیں وقت پر پڑھیں؟
- کتنا قرآن پڑھا اور سمجھا؟
- ہماری کمائی، گفتار، معاملات اور نیتیں کیسی تھیں؟
- کیا میں نے اللہ سے تعلق مضبوط کیا؟
- نمازوں میں باقاعدگی کیسی رہی؟
- اخلاقی رویہ کیسا رہا؟
- رزقِ حلال کی کتنی کوشش کی؟

یہ سوالات ہمارے دلوں کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہیں اور یہی جھنجھوڑنا ہمیں بہتری کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ خود احتسابی ہمیں اس طرف لے جاتی ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کریں اور ان کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائیں۔

**نیت اور عمل کی تجدید (دل سے نئے سفر کا آغاز)**

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى (صحیح بخاری و مسلم)

”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے۔“

اسلام میں نیت کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ نیت ایک دل کا عمل ہے، مگر اس کے اثرات انسان کی زندگی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ نیا سال شروع ہونے پر ہمیں اپنی نیتوں کی تجدید کرنی چاہیے:

- عبادات کی پابندی کا عہد
- رزقِ حلال کی کوشش کو شعار بنانے کا عہد
- اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا عزم
- علمِ دین حاصل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ
- اپنی زبان دوسروں کے لیے راحت بنانے کی کوشش کا عہد
- صدقہ، علم اور خدمت کو اپنی ترجیحات میں شامل رکھنے کا عہد

یاد رکھنا چاہیے! نیت کا پھل صرف آخرت میں نہیں، دنیا میں بھی ملتا ہے۔

نیت کے بعد عمل آتا ہے اور عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص شرط ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ (سننِ نسائی)

”اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو اور جس سے اس کی رضا مقصود ہو۔“

**توبہ اور استغفار: (واپسی کا دروازہ)**

رحمتِ خداوندی کا دروازہ ہر وقت ہمارے لیے کھلا رہتا ہے، خاص طور پر جب ہم اخلاص سے توبہ کرتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (الزمر: 53)

”کہہ دیجیے اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو۔“ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں پر نادم ہو کر سچی توبہ کریں اور اللہ سے اپنے آئندہ کے لیے مدد مانگیں۔

**عملی تجاویز برائے تجدیدِ عہد:** یہ ہیں عمل کے چند آسان اقدامات

بقیہ صفحہ نمبر 12 پر

# خوش رہنا بھی ایک فن ہے

حکیم شمیم احمد

## آیئے! آپ کو خوش رہنے کے گر سکھائیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الرعد آیت نمبر 28 میں فرمایا۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

”جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔“

حضورِ اقدس ﷺ نے صدیوں پہلے ہمیں بتلا دیا تھا کہ

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ أَغْنَى النَّاسِ

”جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے حصہ مقرر کیا ہے، اُس پر راضی رہو تو غنی ترین لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔“ (سنن الترمذی)

نیویارک اسٹاک ایکسچینج دنیا کی سب سے بڑی ایکسچینج ہے، یہاں روزانہ ٹریلینز آف ڈالرز کا کاروبار ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے امیر ترین افراد یہاں موجود ہوتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں وہاں ایک سروے کیا گیا اور لوگوں سے پوچھا گیا: کیا آپ اپنی زندگی سے خوش ہیں؟ آپ حیران ہوں گے نیویارک جیسے شہر میں رہنے والے کروڑوں اور اربوں ڈالرز کا کاروبار کرنے والے ننانوے فیصد لوگوں کا جواب نفی میں تھا۔ اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ خوشی اور زندگی میں اطمینان کا تعلق دولت سے تو بالکل نہیں ہے۔

دنیا میں ہر شخص کو کسی بھی وجہ سے پریشانی اور ذہنی دباؤ ضرور ہوتا ہے۔ میڈیکل سائنس چوں کہ صرف نظر آنے والی چیزوں کو قابلِ علاج سمجھتی ہے، اس لیے ان کے نزدیک اس کا واحد علاج نیند کی گولیاں یا زیادہ نہ سوچنا ہے۔ انسان نے اپنا غم غلط کرنے کے لیے پریشانی اور ذہنی دباؤ سے نجات کے لیے شراب، عورت، پاپ میوزک، ڈسکو کلبس اور آئے دن مختلف پارٹیاں، باہر گھومنا پھرنا اور مختلف شیطانی کاموں کا سہارا لینا شروع کیا ہے، لیکن خوشی پھر بھی میسر نہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خوشی اور زندگی کے سکون کا تعلق شیطانی کاموں اور گناہوں میں بالکل نہیں ہے۔

آپ کو اکثر ایسے لوگ نظر آئیں گے، جن کا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ ہم نے اس کو بی پی کا نام دیا ہے۔ کبھی ہم اس کو بلڈ پریشر کم اور کبھی زیادہ ہونے کا نام دیتے ہیں۔ کبھی ہم نے سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کا بیٹھنا، بلڈ پریشر کا کم یا زیادہ ہونا یا ٹینشن کا ہونا، اس سب کی کیا وجہ ہے؟ اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہم سب خوش رہنا چاہتے ہیں اور وہ خوشی ہمیں کہیں نہیں ملتی ہے۔ آپ یقین کریں صرف اور صرف یہی وجہ ہے۔ بلاشبہ آپ یہی چاہتے ہیں بھلے سے آپ اس کا لاکھ انکار ہی کیوں نہ کرتے رہیں۔

دنیا کے اکثر لوگوں کے پریشان رہنے کی واحد وجہ خوشی کی تلاش ہے۔ خوش رہنا بھی ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنا پڑتا ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ہمیں کبھی خوش رہنا سکھایا ہی نہیں جاتا ہے، حالاں کہ ہماری اسلامی تعلیمات اس حوالے سے خوب واضح ہیں کہ اگر ہم ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں تو زندگی سنور جائے۔ خوشی کا اصل تعلق برداشت سے ہے۔ یاد رکھیں! جتنی آپ کی برداشت ہوگی، اتنا آپ خوش رہنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر آپ بات بات پر لوگوں پر غصہ نہیں ہوتے اور آپ اختلافِ رائے کو بخوبی برداشت کر لیتے ہیں تو آپ خوش رہیں گے۔ اگر آپ اپنے مزاج کے خلاف ہونے والے کاموں کو برداشت کرنا سیکھ گئے ہیں تو آپ نے یقیناً خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے۔ آپ لوگوں کی خوشی میں جلنے اور کڑھنے کی بجائے خوش ہونا اور دل سے مبارک باد دینا سیکھ گئے ہیں تو آپ خوش رہ سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنی تقدیر پر راضی ہیں اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنے دکھڑے نہیں روتے تو یقین کریں آپ خوش رہ لیں گے۔ اگر آپ کو گھر میں جو چیزیں میسر ہیں، ان پر شکر ادا کرنا آگیا ہے تو آپ خوش قسمت انسان ہیں۔ اگر آپ نے چھوٹی سے چھوٹی نعمت اور بڑی سے بڑی مصیبت پر صرف ایک ہی لفظ منہ سے نکالتے ہیں ”اللہ“ تو آپ خوش نصیب ہیں۔ اگر آپ نے ”بہت ہے“ اور ”سب کے لیے ہے“ پر یقین کرنا سیکھ لیا ہے۔ لوگوں کو گرا کر خود اٹھنا، دوسروں کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکلنا اور دوسروں سے ہر وقت بدگمان ہونے کی بجائے دوسروں کی کامیابی کے لیے سوچنا شروع کر دیا ہے تو آپ نے خوش رہنا سیکھ لیا ہے۔ ہم وقتی چیزوں میں خوشی تلاش کرتے ہیں اور وقت گزرتے ہی وہ خوشی کافور ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری وجہ جو نفسیاتی ماہرین نے بھی بیان کی ہے کہ پریشانیوں غموں، دل و روح کی بے سکونی اور نفسیاتی دباؤ کے بڑے بنیادی اسباب میں ایک سبب: ”اپنے پاس ہونے والے چیزوں پر راضی نہ ہونا ہے، جو کچھ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کا نہ ملنا کوئی انوکھی بات نہیں، بلکہ ایسا ہونا ہماری زندگیوں کے معمولات میں سے ایک ہے، لیکن ہم اس معمول کو معمول سمجھنے کی بجائے اسے حسرت اور دکھ بنا لیتے ہیں اور پھر وہ حسرت اور دکھ ہمارے اندر طرح طرح کی پریشانیاں، غم اور نفسیاتی دباؤ پیدا کرنے کے سبب بن جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو مادی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی سبب بن جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ مل تو جاتا ہے، لیکن اس کے ملنے کے نتیجے میں جو کچھ توقعات لگائے ہوتے ہیں وہ پوری نہیں ہو پاتی، پس اس صورت میں بھی ہم اپنی خواہش کے مطابق چیز ملنے کے باوجود مطمئن نہیں ہوتے، سکون

نہیں پاتے، بلکہ مزید حسرتوں اور دُکھوں کو خود پر مسلط کر لیتے ہیں اور نتیجہ پہلی صورت سے زیادہ منفی اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ پانا چاہتے ہیں، وہ مل بھی جاتا ہے اور اس کے ملنے کے نتیجے میں جو کچھ توقعات ہوتی ہیں، وہ بھی پوری ہوتی ہیں، لیکن ہمیں اس چیز کے کھو جانے ختم ہو جانے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے اور اس کے کھو جانے ختم ہو جانے کے بعد اس کے بغیر ہو سکنے والی ممکنہ پریشانی کی سوچ ہمیں مذکورہ بالا دونوں حالتوں سے زیادہ حسرت زدہ کر کے خوف غم اور نفسیاتی دُکھوں کے حوالے کرتی ہے۔ ان تمام حالتوں کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کی گئی تقسیم رزق پر اللہ کے فیصلہ کردہ رزق کے ملنے پر اللہ کے فیصلے کے مطابق رزق میں سے کچھ کم ہو جانے پر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ دنیا کے مال واسباب میں سے ملنے والے حصے پر راضی نہ ہونا۔

یہ بات یقینی ہے کہ کسی چیز کا وجود یا کثرت قلبی اور روحانی سکون کا باعث نہیں ہوتا، جب تک اس چیز میں اللہ کی طرف سے برکت نہ ہو۔ اس حقیقت کا مشاہدہ بغیر کسی تکلیف سے اپنے ارد گرد لوگوں کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی اکثریت جن کے پاس دُنیا کے مال واسباب کی کثرت ہوتی ہے اور وہ اس کثرت کے باوجود اس پر راضی نہیں ہوتے جو کچھ اللہ نے انھیں دیا، لہٰذا وہ بے سکونی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت سے ایسے لوگ جن کے لیے اپنی ضروریاتِ زندگی سے پوری کرنے کے اسباب حاصل کرنا بھی ایک عظیم مشقت ہوتی ہے، اس پر راضی رہتے ہیں جو کچھ ان کا رب انھیں دیتا ہے، پس وہ پُرسکون رہتے ہیں۔ خوشی نظر آنے والی چیز نہیں ہے، سکون آپ کو نظر نہیں آتا ہے، اطمینان آپ کو دیکھنے سے یا سننے سے یا چھونے سے محسوس نہیں ہوتا ہے۔

یاد رکھیں! جو چیز نظر نہیں آتی ہے، وہ نظر آنے والی چیزوں سے مل بھی نہیں سکتی ہے۔ ہر وہ چیز جس کا تعلق مادے سے ہو، وہ ہمیں خوشی، اطمینان اور سکون نہیں دے سکتی ہے۔ روح کیوں کہ آسمان سے آئی ہے، اس لیے اس کی خوراک بھی آسمان سے ہی ملے گی۔ ہماری روح زندگی بھر اپنے اصل کی طرف پلٹنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے تڑپتی رہتی ہے اور ہمیں اسے آئی فون، اینڈرائیڈ، ہش پپیز اور نئی نئی گاڑیوں سے بہلاتے رہتے ہیں۔ ہم اسے ریسٹورنٹس میں جا جا کر ٹہلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہر وقت پارٹیز میں رہنا، دوستوں سے گپے لگاتے رہنا اور تیز آواز پر ڈانس کرنے سے ہمیں سکون ملے گا یا پھر دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنا اسٹیٹس بڑھاتے رہنا یا ساری زندگی دوسروں کی خوشی پر کڑھتے رہنا، یہ آپ کو کبھی ذہنی دباؤ سے نجات نہیں دے گا، لیکن جب بھی کہیں ہم اکیلے میں ہوتے ہیں، روح پھر بے چین ہو جاتی ہے۔ ہم اس کو کبھی پریشانی اور کبھی ذہنی دباؤ کا نام دے دیتے ہیں۔ ہم نیند کی گولیاں کھا کھا کر اپنے ضمیر کو سلاتے ہیں، لیکن وہ پھر جاگ جاتا ہے، کیوں کہ اس کو بھی غذائی ضرورت ہے اور اس کی غذا آسمان سے آئی ہے، اس کو وہی ملے گی تو اس کو خوشی، اطمینان اور سکون نصیب ہوگا۔

ایک مشہور مقولہ ہے "دوسروں سے وابستہ اُمیدیں اکثر دکھ دیتی ہیں" ہم چاہتے ہیں دوسرے لوگ ہماری غلطیوں پر معاف کر دیں، دوسرے ہماری عزّت کریں، سارے لوگ مجھ سے محبت کریں اور سب لوگوں سے مجھے صرف خوشی ملے۔ یہ سب حاصل کرنے کے لیے آپ کو بے غرض ہونا پڑے گا۔ یہ سب ہمارے رویّے ہمارے فیصلوں کا نتیجہ ہوتے ہیں اور ہم ہمیشہ ان کا الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ دوسروں پر الزام رکھنے والا شخص بھی خوش نہیں ہو سکتا ہے۔ ہماری پانچوں انگلیوں کی پوریں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہماری دونوں آنکھوں کی پتلیاں ایک دوسرے سے الگ ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کے آٹھ ارب انسانوں کا دماغ ہمارے جیسا ہو؟ وہ ویسا ہی سوچیں اور ویسا ہی کریں جیسا ہم چاہتے ہیں؟ اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو لوگوں کو بے غرض ہو کر معاف کرنا، عزّت دینا اور خوش رکھنا سیکھنا پڑے گا۔

یاد رکھیں! خوشی حاصل کرنے کا نام نہیں ہے، خوشی چھوڑ دینے کا نام ہے۔ خوشی خود پر نہیں، دوسروں پر خرچ کرنے سے ملتی ہے۔ یہ پہن کر نہیں، پہنا کر حاصل ہوتی ہے۔ یہ کھا کر نہیں، کھلا کر نصیب ہوتی ہے۔ اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو پھر مسکرانے کی عادت ڈالیں، خوش رہنا پریشان رہنے سے زیادہ آسان ہے۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، خدا سے تعلق مضبوط کرنے سے انسان کے غم غلط ہوتے ہیں۔ عبادت سے جنت ملتی ہے اور خدمت سے اللہ ملتا ہے، جو دوسروں کے لیے جیتا ہے، مخلوقِ خدا کو آسانی پہنچاتا ہے، وہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کو سینے سے لگائیں، یہ آپ کے دکھ سنتا ہے اور سمجھتا ہے۔ دنیا کی کم سے کم فکر کریں اور آخرت کی زیادہ سے زیادہ فکر کریں۔ لوگوں کے لیے رب کو ناراض نہ کریں، دعاؤں میں خود کو مگن رکھیں، اُمید کو چھوڑیں اپنے اندر یقین پیدا کریں۔ نفرت کو محبت میں بدل لیں، آپس میں شیر و شکر ہو کر رہنا سیکھیں۔ اگر آپ نے ان گروں کو اپنی زندگی میں اپنا لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیوں سے مالا مال کر دے گا۔

بقیہ

## نئے اسلامی سال کا آغاز

### خود احتسابی اور تجدیدِ عہد کا موقع

چند سادہ قدم، جو ہمیں ایک بہتر مسلمان اور انسان بنا سکتے ہیں:

روزانہ کا محاسبہ: دن کے اختتام پر خود سے سوال کریں: آج میں نے کیا نیکی کی؟ کہاں غلطی ہوئی؟

سالانہ منصوبہ بندی: عبادات، تعلیم، صحت، اخلاق اور سماجی خدمات کے حوالے سے اہداف طے کریں۔

دینی علم کا حصول: ہر ہفتے کم از کم ایک دینی کتاب کا مطالعہ یا درس میں شرکت کا عزم۔

صدقہ جاریہ: کوئی ایسا کام کریں جو مرنے کے بعد بھی فائدہ دے، جیسے کنواں کھدوانا، قرآن دینا، کسی طالب علم کی مدد۔

رشتہ داروں سے تعلقات کی بہتری: صلہ رحمی کو فروغ دیں، ناراض رشتے داروں سے صلح کی کوشش۔

معاشرتی بہتری میں کردار: محلّہ، مسجد، اسکول یا کسی فلاحی ادارے کے ساتھ مل کر بہتری کے لیے کام کرنا۔

اپنے وقت کا منصوبہ بنائیں، جیسے ایک چھوٹا سا ٹو-ڈو لسٹ۔

آخری بات: اے اللہ! ہمیں نیا سال ایمان، تقویٰ، علم، نیکی اور امن و سلامتی کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا، اپنی نیتوں میں خلوص رکھنے والا اور اپنے عمل سے اپنی رضا کا طلب گار بنا۔ ہمیں وہ بنا دے جو تُو چاہتا ہے اور ہمیں ہر لمحے اپنی طرف پلٹنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین!

Refreshing
Scent for
Summers!
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
Cool
LA PERFUME
DRY 300 ml e
Perfect
FRESHENER
ProudlyMadeInPakistan

## محرّم میں شادی کا حکم

سوال: کیا ہم محرّم میں شادی کر سکتے ہیں؟ اکثر لوگ محرّم میں شادی بیاہ کی تقریب نہیں کرتے ہیں، یہ محض سوچ ہے یا حقیقت بھی ہے اس میں؟ خاص طور پر لوگ 9-10/محرّم کو شادی بیاہ نہیں کرتے ہیں۔ براہِ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: واضح ہے کہ قرآنِ کریم، حدیث شریف، شروح حدیث، فقہ و فتاویٰ میں نکاح کے احکام بہت مفصّل طریق پر بیان کیے گئے ہیں، حتی کہ فرائض، شرائط، ارکان، مستحبات، مکروہات اور ممنوعات پر تفصیل سے بحث ہے، اسی طرح ماہِ محرّم میں عبادات کی ترغیب اور خلافِ شرع پھیلے ہوئے منکرات قبائح، برائیاں ذکر کر کے سب کے تفصیلی احکام کتبِ معتبرہ میں موجود ہیں، مگر کسی کتاب میں نکاح یا محرّم کے منکرات اور رسوم مروّجہ وغیرہ میں نو۔ دس یا کسی اور دیگر تاریخ محرّم میں اس کو شمار نہیں کیا، پس محرّم یا محرّم کی نو، دس تاریخ میں شادی بیاہ کرنا شریعتِ مطہرہ کی نظر میں دیگر مہینوں اور ان کے ایام کی طرح ہے اور دیگر ماہ کی ہر تاریخ میں بلا کراہت درست ہونا یکساں ہے، جو لوگ اس ماہ یا اس ماہ کی نو، دس تاریخ میں شادی کی تقریب کو انجام دینا برا سمجھتے ہیں ان کی سوچ شرعی اعتبار سے غلط ہے، حقیقتِ شرعیہ کے اعتبار سے ایسی سوچ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

## یومِ عاشورا کے فضائل

1۔ محرّم الحرام کے مہینے کی دس تاریخ کی فضیلت صحیح احادیث سے کیا ثابت ہیں؟

2۔ محرّم الحرام کی رسومات اور غیر شرعی کام جو لوگ کرتے ہیں، ان سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟

3۔ حقیقت میں محرّم کا منانا اہلِ تشیع کی عادت ہے، اس کا کیا ثبوت ہے؟

جواب ا۔ احادیث سے محرّم کی 10 تاریخ کے حوالے سے درج ذیل خصوصیات معلوم ہوتی ہیں: 1۔ مبارک دن ہے۔

2۔ اس دن بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی، اس کے شکرانے پر روزہ رکھا کرتے تھے۔

3۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس دن بطورِ شکرانہ روزہ رکھتے تھے۔

4۔ رسول اللہ ﷺ اس دن روزہ رکھا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

جواب 2۔ جو لوگ رسومات اور غیر شرعی امور میں مبتلا ہوں، ان کو اولًا سمجھانا چاہیے اگر وہ پھر بھی ان امور سے باز نہ آئیں تو ان سے میل جول کم کر سکتے ہیں۔

جواب 3۔ واضح رہے کہ اہلِ تشیع کے ہاں محرّم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول ﷺ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا، اسی لیے یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں سوگ مناتے ہیں، نوحہ گاتے ہیں اور دیگر اعمال سرانجام دیتے ہیں، جب کہ اگر اس دنیا سے کسی نیک ہستی کے جانے کا دن اور مہینہ غم منانے کا مہینہ ہوتا تو آپ کے والد (حضرت علی کرّم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے۔ اُن کو چالیس ہجری سترہ رمضان جمعہ کے دن جب کہ وہ اپنے گھر سے نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے شہید کر دیا گیا، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنہیں پینتیس ہجری عید الاضحیٰ کے بعد ان ہی کے گھر میں شہید کر دیا گیا، لیکن لوگوں نے ان کے قتل کے دن کو بھی اس طرح ماتم نہیں کیا، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں نماز کی حالت میں جب کہ وہ قرات کر رہے تھے، شہید کر دیا گیا، لیکن ان کے قتل کے دن بھی اس طرح ماتم نہیں کیا جاتا اور جنابِ نبی اکرم ﷺ جو دنیا و آخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن کو بھی کسی نے ماتم کا دن قرار نہیں دیا اور یہی اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ کسی مسلمان پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ آگے حضرت امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ محرّم منانا، ماتم وغیرہ کرنا یہ سب اہلِ تشیع کی عادت اور طریقہ ہے۔

## محرم کے مہینے میں بغیر کسی نذر و نیاز کے حلیم پکانے کا حکم

سوال: کیا محرّم کے مہینے میں بغیر کسی نذر و نیاز کے حلیم پکانا جائز ہے؟ یا محرم کے بعد بغیر کسی نذر و نیاز کے پکانا کیسا ہے؟

جواب 1۔ تشبّہ بالروافض (شیعوں کے ساتھ مشابہت) کی وجہ سے مناسب نہیں۔

2۔ درست ہے۔

## محرم کی دس تاریخ کا روزہ

سوال: محرّم کی نو اور دس تاریخ کا روزہ اور ذی الحج کی نو تاریخ کا روزہ فرض ہے یا مسنون؟

جواب: محرّم کی نو اور دس تاریخ (عاشورہ) کا روزہ اور ذی الحج کی نو تاریخ (عرفہ) کا روزہ رکھنا فرض نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

مفتی محمد توحید

# مسائل پوچھیں اور سیکھیں

# خواتین کے حقوق

آخری قسط

حجاب سید

”اور تمہارے لیے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) میں سے چوتھا حصہ ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے، تمہاری اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا (تمہارے) قرض کی ادائیگی کے بعد۔“ (النساء: 12)

اور بہن کی قرابت داری میں وہ حیثیت ہے، جس کے متعلق صلہ رحمی کا خاص حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں رحمٰن ہوں اور (رشتے داری کے لیے عربی لفظ رحم کو میں نے اپنے نام سے کشید کیا ہے، چناں چہ) جو شخص رحم (رشتہ داری) کو جوڑے گا، میں اسے جوڑ دوں گا اور جو اسے توڑے گا، میں اسے جڑ سے توڑ دوں گا۔ (سنن ترمذی)

لہٰذا جس طرح بیٹی کے حقوق باپ کے ذمے ہیں، اس طرح باپ کے بعد بھائی پر بہن کی ذمہ داری ہے، بالخصوص اس وقت جب بہن معاشی تنگی کا شکار ہو۔ یہ تو رہا عورت کے حقوق کا ذکر مختلف رشتوں کی حیثیت سے۔

”عورتوں کے تعلیمی حقوق“ وحیِ قرآن کے پہلے لفظ ”اقرأ“ سے جہاں تعلیم عورتوں کا بنیادی حق معلوم ہوتا ہے، وہیں زبانِ رسالتِ مآب ﷺ نے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ بغیر کسی تخصیص کے، اس حکمِ عام کے ذریعے حصولِ علم کو واجب قرار دیا جو بحیثیتِ بیٹی، بیوی، ماں اور بہن سب کو یکساں شامل ہے۔ لہٰذا بحیثیتِ معلّمہ اگر عائشہ و فاطمہ رضی اللہ عنہما نے مسندِ تدریس کو سنبھالا تو خنسا، اسماء اور زینب رضی اللہ عنہنّ نے ممبرِ خطابت کو زینت بخشی۔ یہی نہیں بلکہ طبّ تعلیم میں بھی پیچھے نہ رہیں، جیسا کہ حضرت رفیدہ اور حضرت شفا رضی اللہ عنہما علمِ طبّ و جراحی میں ماہر تھیں، نیز میدانِ طبّ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی مہارت دورانِ جنگ ان کے کردار سے واضح ہوتی ہے، کیوں کہ بغیر طبّی علم حاصل کیے کوئی میڈیکل فیلڈ میں کام کر ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے نہ صرف یہ کہ لڑکی کی جان کو تحفظ بخشا بلکہ اسے تعلیم کے حقوق سے نواز کر اسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے حقوق غصب کیے جانے کی صورت میں اسے حاصل کرنے پر قادر ہو سکے۔

”عورت کا حق میراث“

عورت کو حقِ میراث عطا اسلام نے اُس دور میں کیا، جب عورت کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی اور جب وہ خود سامانِ وراثت کی طرح تقسیم ہوتی تھی۔ صرف عرب میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک، مذاہب اور تہذیبوں میں بھی عورت حقِ وراثت سے محروم رکھی گئی تھی۔ عربوں کا فلسفہ یہ تھا کہ جو لوگ مقابلہ اور مدافعت کی طاقت رکھتے ہوں، صرف وہی میراث کے مستحق ہیں، اس لیے وہ عورتوں اور بعض اوقات نابالغ بچوں کو بھی میراث سے محروم کر دیتے تھے۔ یہودیوں کے یہاں پوری میراث پر پہلوٹھے لڑکے کا قبضہ ہو جاتا تھا۔ ہندوؤں کے یہاں عورتیں میراث کی حق دار نہیں ہوتی تھیں، خود یورپ میں عورتوں کو انیسویں صدی میں حقِ میراث ملا ہے، اس سے پہلے وہ اس حق سے محروم تھیں۔“ (روزنامہ منصف، 23 فروری 2024ء)

اسی طرح یہودیت اور ہندومت میں بھی وراثت کا حق دار صرف بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں رومی اور یونانی تہذیبوں میں بھی اولادِ نرینہ کی موجودگی میں لڑکیاں میراث میں حصہ نہ پاتی تھیں۔

اسلام نے عورت کو میراث میں حق دے کر اس کی شخصیت کو استحکام بخشا۔ ارشادِ ربانی ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (النساء: 7)

مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے، جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے، جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔

اس آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ میراث صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں ہے، بلکہ عورت بھی میراث میں پوری طرح سے حصہ دار ہے اور یہ حصہ خود خدائے بالا و برتر نے مقرر کر رکھا ہے۔

”عورتوں کے اقتصادی حقوق“ شریعت نے خاندانی نظام کی بقا کے لیے جہاں بچوں کی بہتر نگہداشت کی ذمے داری عورت پر ڈالی ہے وہیں کسبِ معاش کی ذمہ داری مرد کے اوپر رکھی ہے اسلام نے عورت کو گھر کی خادمہ نہیں، بلکہ گھر کی ملکہ سمجھا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْهُمْ (صحیح بخاری)

”عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔“

یعنی عورت گھر کی ذمہ دار اور اس کی انچارج ہے۔ عورت کو معاشی بوجھ اٹھانے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا، یہ خواتین کے لیے بہت بڑی رحمت ہے، جہاں عورت ان دوہری ذمے داریوں سے بَری ہو جاتی ہے جو خاندانی انتشار اور اولاد کی بے راہ روی کا سبب بنتا جا رہا ہے، لیکن اسلام نے خواتین پر کسبِ معاش کا دروازہ بند نہیں کیا اگر وہ شادی سے پہلے والد اور شادی کے بعد شوہر کی اجازت سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے کسبِ معاش کی سرگرمی میں حصہ لینا چاہے تو وہ اس کی روادار ہے۔

چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَ سْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

اس آیت کی روشنی میں عورت نہ صرف حصولِ معاش کی آزادی رکھتی ہے، بلکہ اپنی کمائی ہوئی ملکیت کا پورا حق رکھتی ہے۔ غرض یہ کہ مذہبِ اسلام عورت کو معاش کے لیے تجارت، زراعت، لین دین، صنعت وحرفت، ملازمت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور صحافت وغیرہ کی اجازت دیتا ہے، البتہ اس پر کچھ مناسب پابندیاں بھی عائد کرتا ہے، جس کا مقصد محض یہ ہے کہ ان کاموں کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں خاندانی نظام میں کوئی خلل نہ واقع ہو۔

”عورتوں کے مذہبی حقوق“ عورتوں کو نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے انجام دینے کا برابر حق حاصل ہے، نیز اخلاقیات ودیگر معاملات کی ادائیگی میں بھی عورت مردوں کے برابر کی حق دار بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (آلِ عمران: 195)

”میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت! تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو۔“

”عورتوں کے معاشرتی حقوق“ اسلام عورتوں کو معاشرتی حقوق کا جو حسین تحفہ پیش کرتا ہے، اس کا کسی دوسرے مذہب میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، حسنِ معاشرت کے لیے جن زرّیں اصولوں کی پاسداری لازمی ہے، اسلام ان کے احکام صادر فرما کر معاشرت کے سارے آداب سکھاتا ہے، جس میں بحیثیتِ بیٹی، بیوی ماں اور بہن کو وہ حقوق عطا کرتا ہے جو ایک حسین ومستحکم معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔

1: عزت وآبرو کا حق: حسنِ معاشرت کے سب سے پہلے اصول میں انسان کی عزّت وآبرو کی حفاظت سب سے قیمتی اثاثہ ہے، لہٰذا ایک صنفِ نازک ہمیشہ سے عزّت وآبرو پر حملے کا شکار ہوتی رہی ہے، خواہ وہ زنا بالجبر کے ذریعے ہو یا بہتان تراشی کے ذریعے، لیکن اس عظیم مذہب نے اسے سنگین جرم اور گناہِ کبیرہ قرار دے کر اس کا سدِّ باب کردیا۔

چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً
وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: 4)

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور ثبوت میں چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں۔

2: نکاح اور شوہر کے انتخاب کا حق: دنیا کی ہر تہذیب میں عورت کو شادی اور نکاح کے بارے میں اظہارِ رائے کا تصوّر ہی مفقود تھا، لیکن مذہبِ اسلام نے اس کو اپنا شریکِ حیات منتخب کرنے کا بھی اختیار اور حق دیا ہے، چناں چہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،
وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بیوہ عورت کا نکاح اس سے رائے لیے بغیر نہ کیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر نہ کیا جائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ”یارسول اللہ (ﷺ)! دوشیزہ تو شرم وحیا کی وجہ سے بولے گی نہیں، اس سے اجازت کیسے لی جائے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا سکوت ہی اس کی اجازت ہے۔“

3: مہر کا حق: انسان جس صنف سے جنسی تسکین کا سامان حاصل کرتا ہے، ربّ کائنات نے مہر کو عورت کے لیے واجب قرار دیا، لیکن یہ حق جنسی تمتع کی فیس نہیں بلکہ بطورِ اعزاز عطا کیا، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء: 4)

اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو۔

خاندانی استحکام کے لیے اس طرح کی شرط لگا کر بھی ربُّ العزّت نے مہر کی کوئی خاص تعیین نہیں کی، البتہ احادیث کی رو سے آسان ترین مہر کو پسندیدہ مہر قرار دیا گیا ہے، تاکہ عائلی زندگی معاشی تنگی اور مشکلات سے دوچار نہ ہو۔

نان ونفقہ کا حق: نان ونفقہ کا حق عورت کو اسلام نے ہی دیا ہے دوسرے مذاہب میں اس کا تصوّر بھی نہیں تھا، چناں چہ عورت کی بحیثیتِ بیٹی کی کفالت اور نان ونفقہ کی ذمہ داری باپ کے سر ہوتی ہے اور وہی عورت جب بحیثیتِ بیوی کسی شوہر کی زندگی میں قدم رکھتی ہے تو اس کی کفالت شوہر کے ذمہ ہو جاتی ہے اور بحیثیتِ ماں جب سنّ رسیدگی کی عمر میں پہنچتی ہے تو اس کی ذمہ داری بیٹے کے سر جب کہ بہن کی کفالت والد کی عدم موجودگی میں بھائی کے ذمے ہو جاتی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

خلع کا حق: اسلام چوں کہ اصلاحِ معاشرت کا حکم دیتا ہے، لہٰذا زندگی کے ہر شعبے میں حسنِ معاشرت پر زور دیتا ہے، لہٰذا جس طرح بدرجہ مجبوری مرد کو طلاق کی اجازت دیتا ہے، اسی طرح عورت کا شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہونے کی صورت میں یا شوہر کے ناپسند ہونے کی صورت میں عورت کو خلع کا حق دیتا ہے، جہاں عورت شوہر کو معاوضہ دے کر قیدِ نکاح سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ اجازت شدید مجبوری کی صورت میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ: 229)

”اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھیں گے تو ان دونوں پر اس مال (کے لینے دینے) میں کوئی جرم نہیں ہے، جسے دے کر وہ خود کو چھڑالے۔“

اسلام نہ صرف بحالتِ مجبوری عورت کو خلع کا حق دیتا ہے بلکہ طلاق وخلع والی اور بیوہ عورتوں کو دوسری شادی کا حق بھی عطا کرتا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر 232 سے واضح ہے، جس میں ربِّ ذوالجلال عورتوں کی عدّت پوری ہو جانے کے بعد مردوں کو ان عورتوں کی زندگی میں رکاوٹ ڈالنے سے منع کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: 232)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدّت پوری ہو جائے تو ان کو اپنے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں، نکاح کرنے سے مت روکو۔“

اسلام نے خواتین کو ظلم وبے حیائی، رسوائی اور تباہی کے گڑھے سے نکال کر انھیں تحفظ بخشا، ان کے حقوق کو اُجاگر کیا۔ ماں، بہن، بیٹی، بیوی کے حقوق بتائے۔ یہ حقوق مذہبِ اسلام نے خواتین کو اس لیے نہیں دیے کہ خواتین اس کا مطالبہ کر رہی تھیں بلکہ یہ ان کے فطری حقوق تھے، جن کا دیا جانا لازمی تھا، تاکہ معاشرہ جنّت وگل زار بن جائے، مگر افسوس! دورِ جدید کے مسلمانوں پر جو شریعتِ اسلامی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان حسین اصولوں سے منحرف ہیں اور خواتینِ اسلام کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے درپے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب عورت خود ان سنہرے اصولوں سے منہ موڑتے ہوئے مغرب کی اندھا دھند تقلید میں اپنے حقوق سے ناآشنا ظالم بھیڑیوں کے ہوس کی شکار ہے اور تحفظِ نفس کے لیے ہر سو سرگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کو شریعت کی پاسداری کی توفیق عطا فرمائے اور خواتین کے تمام حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے۔ آمین!

NEW
Zaiby
Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
Crafting memories for the most cherished day
VISIT US TODAY—BECAUSE YOU DESERVE TO SHINE AS BRIGHTLY AS OUR DESIGNS
03085888455
021 35835455, 35835488
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

# محمد رسول اللہ ﷺ کی فراست

دانیال حسن چغتائی

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق رُتبہ دیتے تھے۔ آپ لوگوں کے لیے اپنے ضروری کام ملتوی کر دیتے، تاکہ اُنھیں احساس ہو کہ آپ کے دل میں اُن کی کتنی محبت اور قدر ہے۔

جن دنوں رسول اللہ ﷺ نے وسیع پیمانے پر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور اسلام پھیلنے لگا، آپ نے قبائل کو اسلام کی روشنی سے فیض یاب کرنے کے لیے اپنے ہاں سے داعی روانہ کرنے کا آغاز کیا۔ کبھی ضرورت پڑتی تو لشکر بھی بھیج دیتے۔ عدی بن حاتم بنو طے کے سردار اور سردار کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر قبیلہ طے کی طرف بھیجا۔ عدی بن حاتم جنگ میں شریک نہ ہوئے اور رومیوں کی پناہ میں شام چلے گئے۔

مسلمان بنو طے کے علاقے میں پہنچے تو طائی قیادت کے فقدان اور کوئی منظّم لشکر نہ ہونے کے باعث اُسے باآسانی فتح کر لیا۔ دورانِ جنگ مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک کرتے اور اُن سے شفقت سے پیش آتے۔ بنو طے پر حملے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اُن کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے محفوظ ہو جائیں اور اُن کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔

مسلمانوں نے قومِ عدی کے بعض افراد کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا اور اُنھیں مدینہ لے آئے۔ قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن بھی شامل تھیں۔ نبی کریم ﷺ کو عدی بن حاتم کے شام کی طرف جانے کی اطلاع دی گئی تو آپ کو بڑا تعجب ہوا کہ وہ اپنا دین اور اپنی قوم چھوڑ کر کیسے چلے گئے۔ بہر حال! اب عدی تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ اُدھر عدی کو رومیوں کے علاقے میں ٹھہرنا راس نہ آیا۔ مجبوراً انھیں دیارِ عرب واپس آنا پڑا۔۔۔ پھر انھیں سوائے اس کے کوئی راستہ نظر نہ آیا کہ وہ مدینہ آئیں اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے مصالحت کی شرائط طے کر لیں۔

عدی فرماتے ہیں کہ میں مدینے کی طرف چل پڑا۔ جب میں شہر میں داخل ہوا تو لوگ شور کرنے لگے: یہ رہا عدی بن حاتم! یہ رہا عدی بن حاتم! میں چلتا چلا گیا اور مسجد میں داخل ہوا، جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ نے دریافت کیا: "آپ عدی بن حاتم ہیں؟"

میں نے جواب دیا: "جی! عدی بن حاتم ہوں۔"

عدی بن حاتم کی آمد پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اس کے باوجود کہ عدی مسلمانوں کے دشمن تھے، جنگ سے بھاگ گئے تھے، اسلام سے اُنھیں نفرت تھی اور نصاریٰ کے پناہ گزین تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی خوب آؤ بھگت کی۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اُنھیں خیر مقدم کہا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف چل پڑے۔ عدی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ میں اور محمد (ﷺ) دونوں برابر کے سردار ہیں۔

محمد (ﷺ) مدینہ اور گرد و نواح کے بادشاہ ہیں اور عدی طے اور اس کے ارد گرد کے پہاڑوں کا بادشاہ ہے۔

محمد (ﷺ) ایک آسمانی دین اسلام پر عمل پیرا ہیں اور عدی ایک دوسرے آسمانی دین نصرانیت کا ماننے والا ہے۔ محمد (ﷺ) کے پاس الہامی کتاب "القرآن" ہے اور عدی کے پاس ایک دوسری الہامی کتاب انجیل ہے۔ عدی نے محسوس کیا کہ دونوں بادشاہوں میں فوجی قوت کی کمی بیشی کے علاوہ اور کوئی خاص فرق نہیں۔

راستے میں رسول اللہ ﷺ تین مواقع پر ٹھہرے۔

پہلے موقع پر ایک عورت راستے میں کھڑی ہو کر پکارنے لگی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدی کا ہاتھ چھوڑا، اس کے پاس گئے اور غور سے اُس کی بات سنتے رہے۔

عدی بن حاتم جو بادشاہوں اور وزیروں کی صحبت میں رہ چکے تھے، یہ منظر دیکھنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کے لوگوں سے برتاؤ کا موازنہ ان رؤسا و زعما کے برتاؤ سے کرنے لگے، جن کے طرزِ عمل کا وہ اس سے قبل مشاہدہ کر چکے تھے۔ دیر تک خاموشی سے تکتے رہے، پھر گویا ہوئے: "اللہ کی قسم! یہ بادشاہوں کا اخلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ انبیا ہی کا اخلاق ہے۔"

وہ عورت اپنی بات پوری کر چکی تو رسول اللہ ﷺ عدی کی طرف آئے اور دونوں دوبارہ چلنے لگے۔

راستے میں اُنھیں ایک آدمی ملا۔

اس نے شکایت کے لہجے میں کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! کھانے کو کچھ نہیں ملتا، بھوکوں مر رہے ہیں۔ غربت نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

وہ آدمی شکایت کر رہا تھا اور عدی سُن رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے مختصر جواب دیا اور آگے بڑھ گئے۔

ابھی چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ ایک اور آدمی آیا اور بولا:

"اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ارد گرد کے راستوں میں بہت ڈاکے پڑ رہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی چند لفظی جواب دیا اور آگے چلتے گئے۔ عدی دل ہی دل میں معاملات کا تجزیہ کرنے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ میری ایک عزّت ہے، ایک مقام ہے۔ میرے دشمن راستوں میں مجھ پر ڈاکے بھی نہیں ڈالتے، پھر میں کیوں ایسے دین میں داخل ہو جاؤں، جس کے ماننے والے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور غربت نے اُن کی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے۔

دونوں گھر پہنچے۔ گھر میں ایک ہی گدھا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے عدی کی تکریم کرتے ہوئے اُنھیں دیا اور کہا: "یہ لے لیجیے اور اس پر بیٹھ جائیے۔"

عدی نے گدھا واپس کرتے ہوئے کہا: "آپ اس پر تشریف رکھیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(نہیں بلکہ) آپ (بیٹھیے)۔"

بہر حال! گدھا عدی کے پاس رہا اور وہی اس پر بیٹھے۔

اب رسول اللہ ﷺ نے عدی اور اسلام کے درمیان کھڑی رکاوٹیں ہٹا دینے کی ابتدا کی۔ آپ یوں گویا ہوئے: "عدی! اسلام لے آئیے۔ آپ سلامت رہیں گے۔" یہ بات آپ نے تین بار کہی۔

عدی نے جواب دیا: "میں بھی ایک دین پر عمل پیرا ہوں۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں آپ کے دین کو آپ سے بہتر جانتا ہوں۔"

عدی حیران ہوئے: "آپ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟"

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "جی ہاں، کیا آپ کا تعلق رکوسی فرقے سے نہیں؟"

"کیوں نہیں! رکوسی فرقے ہی سے ہے۔" عدی نے جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "جب آپ کی قوم آپ کی معیت میں جنگ لڑتی ہے، آپ

بقیہ صفحہ نمبر 20 پر

# ماحولیاتی مسائل کا حل

ثوبیہ اللہ رکھا

خالقِ کائنات نے زمین وآسماں، سمندر، دریا، چشمے، پہاڑ و صحرا، سرسبز جنگل، چہچہاتے پرندے، بھاگتے جانور، رینگتے ہوئے حشرات اور ٹھنڈی ہوا یہ دلکش نظارے پیدا کر کے ایک خوب صورت وخوش گوار قدرتی ماحول تخلیق کیا، لیکن حضرتِ انسان نے ان قدرتی نعمتوں سے خوب فائدہ اٹھا کر ان نعمتوں کے ساتھ بے قدری وبے اعتنائی برتی اور سکون و راحت پہنچاتے قدرتی ماحول سے نکل کر مصنوعی ماحول کے سفر پہ چل پڑا۔

نتیجتاً قدرتی ماحول سے خود ساختہ ماحول کے اس سفر نے انسان کو زمینی آلودگی، فضائی آلودگی، آبی آلودگی، جانوروں وجنگلات کی کمی، گلوبل وارمنگ اور اوزون تہہ کی کمی جیسے گھمبیر مسائل سے دوچار کر دیا۔

**سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان مسائل کا حل:** یہ ایک روشن حقیقت ہے، اسلام ماحولیات کے تحفّظ پہ بہت زور دیتا ہے۔ ہمارے ارد گرد موجود ہوا، پانی، زمین، چرند پرند، حشرات، آسمان، درخت، جنگل، پہاڑ و دریا، پھولوں کی خوش بُو، سورج کی روشنی، دُھوپ کی تمازت، چاند اور اُس کی چاندنی، مٹّی اور اُس کی خصوصیات، ارد گرد رہنے والے لوگ اور ہمارا اپنا وجود ماحول ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے: ”زمین میں چلنے والے کسی جانور اور اُڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو، یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔ ہم نے اُن کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔“

**آبی ذخائر کا تحفظ:** پانی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا کسی نہ کسی طور بنی نوع انسان کے فائدے ہی کے لیے پیدا کی ہیں، لہٰذا یہ لازم ہے کہ اُن کا مناسب استعمال ہو اور اُنھیں تباہی سے بچایا جائے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”اور ہم نے ہر شے کی تخلیق پانی سے کی ہے۔“ (الانبیاء)

حضور اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی کو وضو کا طریقہ سکھایا اور فرمایا: ”وضو کے اعضا کو تین بار دھویا جاسکتا ہے، جو اس سے زیادہ کرتا ہے تو وہ برا کرتا ہے، زیادتی کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایک بار حضورِ اکرم ﷺ سعد کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ وضو کر رہے تھے (انھیں دیکھا) تو فرمایا: مَاهٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ؟ اے سعد! یہ کیسا اسراف ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”کیا وضو کرتے ہوئے بھی اسراف ہوتا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں، بالکل! اگرچہ آپ جاری نہر کے کنارے بیٹھے ہوں، تب بھی زیادتی اسراف ہے۔“

**صفائی و پاکیزگی:** کھلی اور صاف ہوا میں سانس لینا بہت ضروری ہے، لیکن اس ترقی یافتہ دور میں انسان کو نہ صاف ہوا میسر ہے اور نہ ہی کھلی فضا۔

جہاں انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا وہاں انسان بھی ماحول پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان وماحول ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

ایک صاف و پاکیزہ ماحول ہی انسان کی صحت کا ضامن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

”اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔“

قرآن و حدیث کے مطالعے سے منہ، جسم و لباس کی صفائی کے ساتھ ساتھ ارد گرد کے ماحول یعنی گلیوں، محلوں اور راستوں کو صاف رکھنے کی تعلیمات ملتی ہیں۔ آپ ﷺ نے متعدد احادیثِ مبارکہ میں گندگی پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، مسجد میں تھوکنا بڑی کوتاہی ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے زائل کر دیا جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”لعنت کا سبب بننے والی دو چیزوں سے بچو!“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ”وہ کون سی دو چیزیں ہیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کے راستے میں یا کسی (بیٹھنے کی) سایہ دار جگہ میں بول و براز کرنا۔“

بعض لوگ گھر کی صفائی کر کے کچرا گھر سے باہر گلی میں ڈال دیتے ہیں، حضور ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور اسے اس زمانے کے یہود کا فعل کہا ہے، چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اپنے گھروں کے سامنے والے حصہ کی صفائی کیا کرو، یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو، کیوں کہ وہ گھر کے سامنے والے حصے کی صفائی نہیں کرتے۔“

**راستے سے تکلیف دہ اشیا ہٹانا صدقہ ہے:** راستے سے تکلیف دہ چیزیں، جیسے: کانٹے، کانچ اور شیشے کے ٹکڑے، پھلوں کے چھلکے اور کوڑا کرکٹ وغیرہ جس سے گزرنے والوں کو تکلیف واذیت ہوتی ہو، ایسی تکلیف دہ اشیا ہٹانا ایمان کا حصہ اور ایک قسم کا صدقہ ہے، چناں چہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

وَتُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ

یعنی راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی راستے میں چل رہا تھا کہ وہاں کانٹے دار جھاڑی دیکھی تو اسے راستے سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول کیا اور اسے بخش دیا۔

صفائی و پاکیزگی کا فائدہ کسی ایک خاص طبقے کو نہیں، بلکہ تمام معاشرے کو ہوگا۔

**شجر کاری:** درخت قدرتی ہوا کو صاف کرنے کے ساتھ نقصان دہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے زندگی کو برقرار رکھنے والی آکسیجن مہیا کرتے ہیں۔ درخت گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کو کم کر کے موسمیاتی تبدیلیوں کا انتہائی مؤثر انداز میں مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

درختوں کی کمی فضائی آلودگی کا سبب بنتی ہے۔ اسی لیے فضائی آلودگی پر قابو پانے کے لیے اسلام میں درخت لگانے اور ان کی حفاظت پر خاص تاکید کی گئی ہے، کیوں کہ درخت و سبزہ فضائی

آلودگی پر قابو پا کر ماحول کو خوش گوار بنانے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اس کارِ خیر کا درس دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے خود بھی درخت لگائے اور درخت لگانے کی ترغیب بھی دی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے زمین کو غیر آباد چھوڑنے کی بہ جائے اس کو زراعت کے ذریعے شاداب رکھنے کی ترغیب ارشاد فرمائی۔

ایک روایت میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، مفہوم: ”جو شخص کوئی درخت لگاتا ہے تو جتنا اس کے ساتھ پھل لگتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر لکھتا ہے۔“ (کنزالعمال) حضور نبی اکرم ﷺ نے جس طرح پیڑ اور پودے لگانے کی ترغیب فرمائی ہے، اسی طرح بلاوجہ پیڑ کاٹنے اور پودے اکھاڑنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بلاوجہ پیڑ کاٹنے والوں کے لیے وعید فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شخص کسی پیڑ کو (بلاضرورت) کاٹے گا، اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں ڈالے گا۔“

**جانوروں کی حفاظت:** جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس بات کی تائید ملتی ہے ”ایک چیونٹی نے انبیا میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا، تو انھوں نے چیونٹی کی بستی جلا دینے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ کو تو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا آپ نے امتوں میں سے ایک پوری امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

رحمت العالمین ﷺ کی رحمت و شفقت جہاں انسانوں کے لیے بے پناہ ہے، وہاں آپ ﷺ نے شجر و حجر، چرند و پرند، حشرات و جانوروں کو بھی بلاوجہ نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ سیرت النبی ﷺ تو جانور کو ذبح کرنے کے لیے بھی تیز دھار آلے کا حکم دیتی ہے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ پہنچے۔

حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق کو بلا سود نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ انصار کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو کبوتر کو نشانہ بنا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی بھی ذی روح کو بطورِ نشانہ مت بناؤ۔“

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: جو بھی انسان کسی چڑیا یا اس سے بھی کم درجہ کی مخلوق کو بغیر حق کے قتل کر دیتا ہے تو وہ (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوگا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ”حق“ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس کو ذبح کرنا اور کھالینا۔

اسلامی تعلیمات ماحول دشمن طرزِ عمل کے تدارک اور ماحول دوست اقدامات کی ترغیب دیتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ نبی پاک ﷺ کی تعلیمات پہ عمل پیرا ہو کر قدرتی ذرائع کی حفاظت کریں۔ ہمیں آبی ذخائر کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ قدرتی نعمتوں کے استعمال میں اعتدال سے کام لینا چاہیے، تاکہ معاشرے کے تمام افراد اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بقیہ

# محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست

غنائم کا مربے نہیں کھاتے؟“

”بالکل کھاتا ہوں۔“

”آپ کے دین کی رو سے تو ایسا کرنا آپ کے لیے حلال نہیں۔“

”جی ہاں، حلال تو نہیں۔“ عدی نے دبی آواز میں جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام سے آپ کو جس چیز نے روک رکھا ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں۔ دراصل آپ سوچتے ہیں کہ بے چارے چند ضعیف لوگ اس آدمی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، جن کے پاس قوّت وطاقت نام کی کوئی چیز نہیں اور اہلِ عرب نے بھی انھیں اپنے علاقے سے نکال باہر کیا ہے۔ عدی! آپ نے حیرہ دیکھا ہے؟“

”دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے۔“ عدی نے بتایا۔

”قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ اس کام کو ضرور پورا کر کے رہے گا، حتّٰی کہ محمل نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی اور کسی کی پناہ حاصل کیے بغیر بیت اللہ کا طواف کرے گی۔ اسلام اس درجہ قوت حاصل کر لے گا کہ حج کی غرض سے آنے والی مسلمان عورت حیرہ سے چلے گی اور بہ آسانی مکہ پہنچ جائے گی۔ اس کے ساتھ محرم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا جو اسے پناہ دے۔ وہ سیکڑوں قبائل کے قریب سے گزرتی ہوئی آئے گی۔ مسلمانوں کی شان و شوکت اور قوت وسطوت کے باعث کوئی اس عورت پر ہاتھ ڈالنے یا اس کے مال پر ڈاکا ڈالنے کی جرات نہیں کرے گا۔“ عدی نے یہ سنا تو اُن کے ذہن میں اس منظر کا تصور ابھرا کہ ایک عورت عراق سے چل کر مکہ پہنچے گی۔ مطلب یہ کہ اس کا گزر جزیرۂ عرب کے شمال میں واقع میری قوم طے کے دیار و جبال سے بھی ہوگا۔

عدی نے متعجب ہو کر سوچا: طے کے ڈراؤنے ڈاکو اُس وقت کہاں ہوں گے؟ جنھوں نے علاقے میں اودھم مچار کھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کہتے جا رہے تھے: اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے بھی ضرور فتح کیے جائیں گے۔

عدی یہ سن کر حیران ہوئے: ”ابنِ ہرمز کے خزانے؟“

فرمایا: ہاں! کسریٰ بن ہرمز اور اُس کے اموال بھی لازماً اللہ کی راہ میں لٹائے جائیں گے۔ اگر آپ کی زندگی لمبی ہوئی تو آپ دیکھیں گے کہ آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر ایسے افراد کی تلاش میں نکلے گا جو اس سے وہ سونا یا چاندی قبول کر لیں، لیکن اُسے کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا۔

یعنی مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ مال دار آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ اٹھائے گھومتا پھرے گا، مگر اسے کوئی ضرورت مند نہیں ملے گا جو اس سے زکوٰۃ قبول کر لے۔۔۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عدی کو آخرت کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”ملاقات کے دن تم میں سے ہر ایک کی اللہ سے ملاقات ہو کر رہے گی۔ اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ وہ دائیں دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا اور بائیں دیکھے گا تو بھی جہنم ہی نظر آئے گی۔“ عدی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں تفکر کی موجوں سے باہر نکالتے ہوئے فرمایا:

”عدی! پھر کون سی شے ہے جو آپ کو لاالٰہ الاّاللہ سے دور کر رہی ہے۔ کیا اللہ سے بڑا بھی کوئی معبود آپ کی نظر میں ہے؟“

عدی نے کہا: ”میں مسلم حنیف (یکسو مسلمان) ہوں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔“ جیسے ہی عدی نے یہ کہا، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس اعلیٰ کردار پر غور کیجیے کہ آپ نے عدی کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اُن سے نہایت الفت و محبت کا برتاؤ کیا، جسے خود عدی بھی محسوس کیے بنا نہ رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی رویہ عدی کو اسلام کے قریب لانے کا باعث بنا۔

ہم بھی لوگوں کے ساتھ، وہ چاہے جیسے بھی ہوں، اسی محبت سے پیش آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کے دلوں کو مسخر نہ کر سکیں۔۔۔!!

# ڈیجیٹل میڈیا اور تکنیکی ترقی کے دور میں کتاب کا ایک سفر

عذرا خالد

کتابیں پڑھنے کا عمل صدیوں سے علم کے حصول اور انسانی ثقافت، تخیل اور ورثے کو محفوظ رکھنے کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے۔ کتابوں سے حاصل ہونے والی علم کی روشنی نے نہ صرف افراد کی تشکیل کی ہے بلکہ معاشروں کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ طباعت شدہ الفاظ انسانی اظہار وابلاغ کا ایک بنیادی ستون ہیں۔ کتاب پڑھنے کے ارتقا کا یہ سفر قدیم مخطوطات سے شروع ہو کر جدید ای۔ کتابوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم فکری نشوونما کو فروغ دینے میں پڑھنے کی بنیادی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ڈیجیٹل دور میں بھی کتاب کی اہمیت برقرار ہے۔

**تاریخی ارتقا:** تحریر کے فن کے ابتدائی مراحل میں، علم اور معلومات زبانی طور پر اور یادداشت کے ذریعے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کی جاتی تھیں۔ تحریر کی ایجاد نے ایک انقلاب برپا کیا اور معلومات کو مادّی شکل میں محفوظ کرنے کا ذریعہ فراہم کیا۔ قدیم زمانے میں کاتبوں نے مٹی کی تختیوں اور ہڈیوں پر تحریریں لکھیں۔ قدیم مصر میں مذہبی متون، قانونی ضابطوں اور ادبی کاموں کو لکھ کر محفوظ کیا گیا۔ بعدازاں، رومیوں نے ایک پابند کتابی شکل ایجاد کر کے علم کے پھیلاؤ میں انقلاب برپا کیا، جس کے ذریعے متن قابلِ رسائی اور نسلوں تک منتقل ہونے کا ذریعہ بنا۔ قرونِ وسطیٰ میں خانقاہوں نے کتابوں کے اہم مراکز کے طور پر کام کیا۔ راہب بڑی محنت اور عرق ریزی سے مذہبی متون اور علمی کاموں کو ہاتھ سے نقل کرتے تھے۔ ان نسخوں نے علم کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۵ویں صدی میں پرنٹنگ پریس کی آمد نے کتابوں کی تیاری کو تیز اور سستا کر دیا، جس سے خواندگی اور کتابوں کی گردش میں اضافہ ہوا اور علم تک رسائی عام لوگوں تک ہو گئی۔

18 ویں اور 19 ویں صدی میں کتب خانوں، دکانوں اور لائبریریوں کا پھیلاؤ ہوا، جس نے پڑھنے کے کلچر کو فروغ دیا۔ اس دور میں فکشن اور غیر فکشن کے متنوع کام تخلیق ہوئے اور قارئین مختلف موضوعات اور نظریات سے روشناس ہوئے۔ 20 ویں صدی میں پبلشنگ ٹیکنالوجی میں ترقی، جیسے آفسیٹ پرنٹنگ اور ڈیجیٹل ٹائپ سیٹنگ نے کتاب کی تیاری اور تقسیم کو مزید آسان اور موثر بنا دیا۔ پیپر بیک کتابوں کی آمد نے پڑھنے کو سستا اور عام لوگوں کی پہنچ میں کر دیا اور کتابیں ہر گھر کا حصہ بن گئیں۔ اس دور میں پبلک لائبریریوں نے خواندگی کو فروغ دینے اور مطالعے کی حوصلہ افزائی میں اہم کردار ادا کیا۔

**ثقافتی اہمیت:** کتاب کا مطالعہ ثقافتی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ کتابیں نسلوں میں نظریات، اقدار اور روایات کی ترسیل کے ذریعے کے طور پر کام کرتی ہیں۔ یہ انسانی تجربات کی عکاسی کرتی ہیں اور مختلف ثقافتوں، نقطۂ نظر اور عالمی نظریات کو پیش کرتی ہیں۔ کتابیں انسانی تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر ہیں اور مختلف زمانوں اور ثقافتوں کے لوگوں کے خیالات، احساسات اور تجربات سے جوڑتی ہیں۔ افسانوی کردار قارئین کو انسانی حالت کی پیچیدگیوں سے گہری واقفیت پیدا کرتے ہیں۔ کتابیں سائنس اور فلسفے سے لے کر تاریخ اور معاشیات تک علم کے مختلف شعبوں میں بصیرت فراہم کرتی ہیں۔ سوانح عمریاں، یادداشتیں اور مضامین تاریخ کے قابلِ ذکر افراد اور اہم لمحات کی تفصیلی واقفیت دیتے ہیں، جس سے ہم اپنے ماضی کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور مستقبل کے لیے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ کتابیں ثقافتوں کے درمیان پل کا کام کر کے دوسرے لوگوں کے تجربات اور نقطۂ نظر سے واقف کراتی ہیں۔

**علمی فوائد:** ڈیجیٹل غلبہ والے دور میں، کتابیں پڑھنے کا عمل غیر ضروری واقفیت اور علمی تفریق کا ایک طاقتور علاج ہے۔ ڈیجیٹل مواد کے برعکس، کتابیں توجہ اور مصروفیت کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، جس سے تنقیدی اور تجزیاتی سوچ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب ہم کسی کتاب کو پڑھتے ہیں، تو ایک طویل اور مسلسل ذہنی عمل ہماری توجہ مرکوز کرنے اور معلومات کو گہرائی سے سمجھنے کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔ تحقیق نے پڑھنے کے کئی علمی فوائد کو واضح کیا ہے: یہ دماغی افعال، الفاظ کے حصول اور جذباتی ذہانت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ پڑھنا زبان کی تربیت، فہم اور ہمدردی سے منسلک عصبی عمل کو متحرک کرتا ہے، جس سے ہماری علمی لچک اور جذباتی بہبود میں اضافہ ہوتا ہے۔ فکشن قارئین کو تصوراتی دنیاؤں میں لے جاتا ہے اور دوسروں کے خیالات اور احساسات کو سمجھنے اور ان کی ترجمانی کرنے کی صلاحیت کو بہتر بناتا ہے۔ خیالی کرداروں کی زندگیوں کا تجربہ قاری کی وسیع ہمدردانہ سوچ میں اضافہ کرتا ہے۔ مطالعہ ایک بہترین دماغی ورزش ہے۔ یہ تخیل اور تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کرتا ہے۔ جب قارئین متن میں بیان کردہ مناظر کا تصور کرتے ہیں اور متبادل نتائج کا تصور کرتے ہیں، تو ان کی ذہنی کیفیت بہتر ہوتی ہے، جو اعصابی نظام کو مضبوط کرنے اور علم کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔

**پڑھنے کا مستقبل:** کتاب پڑھنے کو ڈیجیٹل دور میں درج ذیل چیلنجز کا سامنا ہے: ڈیجیٹل میڈیا سے مسابقت، توجہ کا کم ہونا اور خواندگی کے اقدامات کی کمی۔ اسمارٹ فونز، ٹیبلیٹس اور ای۔ ریڈرز کے پھیلاؤ نے تحریری مواد کے استعمال اور اس کے طریقے کو بدل دیا ہے۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو ہمیں روایتی پڑھنے کے طریقوں کی تکمیل کے طور پر قبول کرنا ہوگا۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز، ای۔ ریڈرز اور آن لائن بک کمیونٹیز دنیا بھر کے قارئین کے درمیان تعاون، بحث اور علم کے اشتراک کا ذریعہ ہیں۔

**سویڈن کا حالیہ تجربہ:** سویڈن نے 2009 میں ڈیجیٹل تعلیم پر مکمل انحصار کیا تھا اور ۱۵ سال بعد اس اقدام کو کالعدم کرنے کے لیے بھاری سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ سویڈن نے محسوس کیا کہ اسکرینوں پر انحصار کرنے سے پڑھنے کی صلاحیت میں کمی، خلفشار میں اضافہ اور بنیادی مہارتوں کے کمزور ہونے جیسے مسائل پیدا ہونے لگے۔ اس لیے سویڈن اسکولوں میں نصابی کتب کو دوبارہ متعارف کرانے پر توجہ دے رہا ہے، تاکہ ڈیجیٹل اور روایتی تعلیم کے درمیان ایک صحت مند توازن قائم کیا جا سکے۔ سویڈن کے تجربے سے اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں: کیا ہم اسکرینوں کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں؟ کیا اسکرینیں طلبا کی مدد کر رہی ہیں یا مشکلات پیدا کر رہی ہیں؟ کیا ڈیجیٹل اور روایتی سیکھنے کے درمیان کوئی مناسب توازن موجود ہے؟

کتاب کا مطالعہ انسانی تہذیب کا ایک بنیادی ستون ہے۔ ہمیں ڈیجیٹل دور کی تبدیلیوں کو قبول کرنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ کتاب پڑھنے کی میراث برقرار رہے۔ سویڈن کا تجربہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ٹیکنالوجی کو تعلیم کا ایک اہم حصہ ہونا چاہیے، لیکن اسے روایتی طریقوں کی جگہ نہیں لینی چاہیے۔ ایک متوازن نقطۂ نظر، جو کتابوں اور ڈیجیٹل وسائل دونوں کو یکجا کرتا ہے، مستقبل کے لیے طلبا کو بہتر طور پر تیار کر سکتا ہے۔ کتابیں محض معلومات کا ذخیرہ نہیں ہیں، بلکہ یہ خیالات کی پناہ گاہ، تخیل کا ذریعہ اور علم کا ایک سفر ہیں۔ ان کی اہمیت وقت کے ساتھ کم نہیں ہوئی ہے۔ ڈیجیٹل دور میں بھی یہ انسانی ترقی اور فکری نشوونما کا ایک اہم وسیلہ ہیں۔ ہمیں کتاب پڑھنے کی روایت کو پروان چڑھانا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ آنے والی نسلیں بھی اس لازوال خزانے سے مستفید ہوں۔

فہم دین ہر ماہ ایک بلاعنوان تحریر شائع کرتا ہے، بہترین عنوان رکھنے والے کو 300روپے بطور انعام دیتا ہے،ندااختر کی اس کہانی کا عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15جولائی ہے

# بلاعنوان

ندا اختر

نعمان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔اس سے ایک چار سال کا بیٹا تھا،جس کا نام عثمان تھا۔نعمان نے فہمیدہ نامی ایک بہت ہی سلیقہ مند، سنجیدہ، سلجھی ہوئی نیک دل خاتون سے شادی کی۔عثمان پہلے ہی دن دوسری امی سے بہت قریب ہو گیا، جیسے اس کی سگی ماں لوٹ آئی ہو۔فہمیدہ بھی اس بچے کو ایسے ہی چاہنے لگی جیسے کوئی ماں اپنے بیٹے سے پیار کرتی اور اس کا خیال رکھتی ہے۔ایک طرف یہ ماں بیٹا ایک دوسرے سے محبت اور چاہت میں آگے بڑھتے چلے جارہے تھے اور دوسری طرف میاں بیوی میں ان بن رہنے لگی، ذرا ذرا سی بات پر دونوں ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔آخر انجام وہی ہوا جو ان بن رہنے کا نکلتا ہے، یعنی دونوں میں طلاق ہو گئی، لیکن فہمیدہ کو عثمان کی یاد ستانے لگی۔وہ ہر وقت اسے یاد کرتی اور آنسو بہاتی تھی۔اپنے آپ سے بے خبر ہو گئی اور میلے کچیلے کپڑوں میں رہنے لگی۔یہاں تک کہ وہ جوانی میں بوڑھی لگنے لگی۔اسی حالت میں دو سال گزر گئے۔

◆◆◆

زبیدہ، فہمیدہ کی پڑوسن بھی تھی اور بچپن کی سہیلی بھی۔وہ اس کی ڈھارس بندھاتی، اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرتی، اسے صاف ستھرا رہنے کی ترغیب دیتی ، لیکن فہمیدہ کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔اسی دوران میں زبیدہ کے خالہ زاد خالد اور اس کی بیوی فرحانہ میں طلاق ہو گئی۔خالد بہت نیک دل، خوش اخلاق نماز روزے کا پابند متقی شخص تھا، جب کہ اس کی بیوی فرحانہ آزاد خیال اور فیشن کی دلدادہ تھی اور نماز روزے کی پابند بھی نہیں تھی۔حالتِ جنابت اور ایام سے پاک ہونے پر بھی کئی کئی دن غسل نہیں کرتی تھی۔خالد اسے بہت سمجھاتا، بڑی محبت سے پیش آتا، غسل کے لیے کہتا رہتا، نماز کی پابندی کی بھی ترغیب دیتا، لیکن فرحانہ پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔۔۔

پھر ایک دن صبح خالد کو میز سے ایک پرچہ ملا، جس میں فرحانہ نے لکھا تھا:”میں اپنی امی کے ہاں جارہی ہوں، وہاں میرا بچپن کا دوست سلیم بھی ہے، جس کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔سلیم مجھے پسند بھی کرتا ہے، لیکن میری ماں میں پتا نہیں تمھیں کیا نظر آیا کہ اس نے میری شادی تم سے کر دی۔تم مجھے طلاق دے دو اور مجھے اطلاع کر دینا، مجھے واپس لانے راضی کرنے کا خیال دل سے نکال دینا۔“ فرحانہ اپنے بیٹے عابد کو بھی چھوڑ گئی اور خالد کو لکھا: ”میں تمہارا بچہ بھی ساتھ لے کر نہیں جارہی، اسے تم ہی سنبھالو۔“ خالد کے پاس اب طلاق دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، اس نے فرحانہ کو طلاق دے دی۔

زبیدہ کی کوشش سے فہمیدہ سے خالد کی شادی ہو گئی۔عابد چھ سال کا تھا، فہمیدہ کو عابد میں عثمان کی جھلک نظر آنے لگی۔عابد کی ماں نے کبھی عابد سے پیار نہیں کیا تھا، اسے جب فہمیدہ کا پیار ملا تو اس کی شخصیت نکھرنے لگی۔زبیدہ نے خالد کو فہمیدہ کی ہر بات کا بتادیا تھا اور فہمیدہ کو بھی خالد کی بابت سب بتایا ہوا تھا، اس لیے خالد اور فہمیدہ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھنے لگے، دونوں میں مثالی محبت ہو گئی اور دونوں یک جان دو قالب رہنے لگے۔

◆◆◆

ایک دن فہمیدہ کمرے کا بلب بند کیے صوفے پر نیم دراز تھی۔آج پھر اسے عثمان یاد آنے لگا تھا۔خالد اور عابد باہر سے واپس آئے، خالد فہمیدہ کی آنکھوں میں آنسو اور اسے غم زدہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ عثمان کو یاد کر رہی ہے۔عابد کو دیکھ کر فہمیدہ نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور عابد سے کہا:”بیٹا! مجھے ذرا ٹشو دینا، آج میری آنکھوں سے بار بار پانی آرہا ہے۔“ عابد مسکرا کر کہتا ہے:”ابھی تو دے دیتا ہوں، لیکن آئندہ کے لیے ٹشو اپنے پہلے بیٹے سے مانگیے گا۔“ خالد اور فہمیدہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگتے ہیں۔

◆◆◆

خالد، فہمیدہ اور عابد کو ساحل کی سیر کے لیے گیا۔تینوں ساحل کنارے ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک پیچھے سے فہمیدہ کی آنکھوں پر کوئی ہاتھ رکھ دیتا ہے، فہمیدہ نے ایک دم کہا:”عثمان تم!“ پھر اس نے نرمی سے ہاتھوں کو ہٹایا اور عثمان سامنے آکر ماں سے لپٹ گیا۔دراصل یہ انتظام خالد نے ہی کیا تھا، اس نے نعمان سے ملاقات کی تھی اور اسے اس بات پر قائل کیا تھا کہ وہ عثمان کو فہمیدہ کے پاس رہنے دے۔نعمان کی دوسری بیوی کا بھی تقاضا تھا کہ عثمان کو اس کی دادی یعنی نعمان کی ماں کے پاس چھوڑ دے۔نعمان بہت پریشان تھا، اس حالت میں اسے خالد کی پیش کش سے بہت خوشی ہوئی اور آج وہ عثمان کو لے کر ساحل آیا تھا۔

خالد نے فہمیدہ کو بتایا اب عثمان ہمارے ساتھ رہے گا، تاکہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔تھوڑی دیر میں عابد اور عثمان گھل مل گئے، جیسے سگے بھائی یا بہت گہرے دوست ہوں۔ساحل کنارے پانی سے کھیلنے اور ایک دوسرے پر پانی پھینکنے لگے اور فہمیدہ نے شکر گزاری کے طور پر اپنا سر خالد کے کندھے پر رکھ دیا۔

# دعا کی تعبیر

انیسہ عانش

"کسی کے دکھ میں کی گئی دعا کی تعبیر بن کر دیکھا ہے کبھی؟ عجیب سی راحت اور مسرّت انسان کو گھیرے میں لے لیتی ہے۔" عبید بڑے جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔ میثم نے اس کی طرف دیکھا اور ہلکی آواز میں بولا: "لگتا ہے آج پھر دورا پڑ گیا ہے تم پر۔" اس نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سر جھٹکا اور پھر سے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میثم اور عبید دونوں کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے دوست بھی تھے۔ عبید کا مزاج ادبی قسم کا تھا۔ وہ کتب بینی کا دلدادہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی شخصیت پر کتابوں کا گہرا اثر تھا، جبکہ میثم کو کتابوں سے سخت چڑ تھی، مگر اس کے باوجود دونوں کی دوستی قائم تھی۔ عبید وقتاً فوقتاً کوئی ادبی قول، پیراگراف یا اپنے ذہن میں آنے والے خیالات میثم سے ضرور شیئر کرتا رہتا، جنھیں کبھی تو وہ موڈ میں آکر سن لیتا کبھی ہنس کر اڑا دیتا۔ آج بھی اسی طرح ہوا تھا۔

امی کی بات کو سن کر اس کے چہرے پر مکمل کوفت اور بے زاری کے تاثرات نے گھیراؤ کر لیا۔ وہ بددلی سے بائیک کو گھسیٹتا باہر نکال لایا۔ آگ برساتا سورج، گرم ہوا کے ٹکراتے تھپیڑے، ٹریفک کا شور اس کے اعصاب پر بھاری پڑ رہا تھا۔

میثم نے وہاں بیٹھے بیٹھے اپنے اطراف پہ نظر ڈالی۔ یہ شہر کا سب سے مہنگا پرائیویٹ ہسپتال تھا۔ وہی ہسپتالوں والی ماحول میں دواؤں کی رچی ہوئی بو، لوگوں کی آمد و رفت اور مخصوص گہما گہمی۔ تاہم! باہر کی نسبت یہاں کا ٹھنڈا ماحول تسکین بخش تھا۔ وہ ابو جان کی رپورٹ لینے آیا تھا اور اب لیب کے باہر انتظار کرتے ہوئے ماحول کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اسی دَم اس کے ذہن میں دادی اماں کا کہا جملہ گونجا۔ "نا! یہ موئے ہسپتال بھی کوئی خوشی سے آتا ہے کیا۔ اللّٰہ ان ڈاکٹروں سے بچائے رکھے۔" اس کے لب پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ دادی اماں ہسپتال سے ہمیشہ گھبراتی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر سے داخلی دروازے سے آتے جاتے لوگوں پر نظریں جما دیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ تیزی سے زخمی افراد کو لایا جانے لگا۔ شاید کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔ زخمیوں میں اس کی نظر ایک ادھیڑ عمر شخص پر پڑی، جس نے بچے کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ بچے کے جسم سے بہتا ہوا سرخ خون اس کے سفید کپڑوں کو رنگ دار کرتا جا رہا تھا۔ میثم کا دل دکھ سے بھر گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص اسے پھر دکھائی دیا۔ وہ ڈاکٹر سے کچھ کہہ رہا تھا، اس کا انداز اور چہرے کے تاثرات لجاجت بھرے تھے، مگر ڈاکٹر نے دوٹوک انداز میں کچھ کہا اور راہداری سے گزرتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ مایوسی سے تاریک پڑتا چلا گیا۔ اس لمحے اس نے نگاہ اوپر کی جانب اٹھائی اور اس کے لب ہلتے دکھائی دیے، ساتھ ہی چند موتی آنکھوں سے لڑھک کر داڑھی میں جذب ہوتے چلے گئے۔ میثم بے اختیار ہی اس کی جانب لپکا اور ماجرا دریافت کیا۔ معلوم ہوا حادثے کی زد میں آئے متاثرہ بچے کا فوری آپریشن ہونا ضروری ہے، مگر ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ فیس جمع کروائیں تو ہی آپریشن شروع کیا جائے گا۔ مزدوری پیشہ غریب جیب میں دو چار ہزار کے نوٹ رکھنے والا شخص ہزاروں روپے کی فیس یک دَم کیسے جمع کروائے۔ اس کی منّت سماجت بھی سرجن کو متاثر نہ کر پائی، کیوں کہ ان کا سامنا روز ہی سے ایسے افراد سے ہوتا رہتا تھا۔ میثم نے ایک تأسف بھری نظر مسیحا کے کمرے پر ڈالی، کچھ سوچا اور کچھ ہی لمحوں بعد اس کی بائیک ہوا کی رفتار سے سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ وہ گھر پہنچا، الماری سے چیک اٹھایا جو اسی ہفتے کالج کی تقریب میں بہترین کارکردگی پر اسے دیا گیا تھا اور ہسپتال پہنچا۔ چیک کے ملتے ہی بچے کا آپریشن شروع کر دیا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد میثم کو بابا کی رپورٹس مل گئی تو اس نے بچے کے والد کو تسلی دی اور کسی ضرورت کا پوچھا تو وہ عاجزی اور احسان مندی سے گویا ہوئے۔ "بیٹا! میں نے انتہائی دکھ اور کرب کے عالم میں دعا مانگی تھی اور اللّٰہ نے تمھیں میری دعا کی تعبیر بنا کر بھیج دیا۔ میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں۔ اللّٰہ تمھیں خوش رکھے۔۔۔"

"چاچا جی! آپ دعا دیں کہ اللّٰہ تعالیٰ مجھے اسی طرح دُکھی انسانوں کی دعاؤں کی تعبیر بننے کا موقع دے۔" اور کہتا ہوا نکل آیا۔ انھوں نے اس سے نام پتا معلوم کرنا چاہا تو میثم نے کہا کہ وہ بچے کے ڈسچارج ہونے تک چکر لگاتا رہے گا۔

واپسی کے راستے پر ایک عجب نا قابلِ بیان سی مسرت اسے خود کو لپیٹ میں لیتی محسوس ہوئی۔ اس بار اسے سورج کی تاب، ہوا کی گرمی، ٹریفک کا شور کچھ بھی برا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ شاید من کا موسم بدلا تو باہر کی ہر چیز اچھی لگنے لگی تھی۔ اس وقت اس کے ذہن سے یہ فکر بھی کہیں محو ہو کر رہ گئی تھی کہ اس نے کتنی سر توڑ کوششوں کے بعد کالج میں وہ انعام جیتا تھا اور کئی ضرورتیں اس سے جڑی تھیں، جو میثم کے لیے انتہائی ضروری تھیں۔ وہ گھر پہنچا تو اس کے لیے متفکر اور پریشان سی کھڑی امی جان اسے طمانیت اور مسرت سے سرشار آتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

**خاموش قاتل:** ہم بیماریوں سے تب گھبراتے ہیں جب وہ شور مچاتی ہیں، درد دیتی ہیں یا بستر پر گرا دیتی ہیں، مگر وہ بیماریاں جو آہستہ آہستہ اندر سے جسم کو چاٹتی رہتی ہیں، ہم اکثر انھیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

کچھ بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر کوئی شور نہیں کرتیں، نہ جسم کو فوراً تکلیف دیتی ہیں، مگر اندر ہی اندر نظامِ زندگی کو کھوکھلا کرتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک بیماری ہے: "بلڈ پریشر" جسے بجا طور پر "خاموش قاتل" کہا جاتا ہے۔

**بلڈ پریشر کیا ہے؟**

انسان کے جسم میں خون دل سے نکل کر رگوں میں دوڑتا ہے اور اس دوران وہ ایک مخصوص دباؤ (pressure) کے ساتھ بہتا ہے۔ یہی دباؤ جب حد سے بڑھ جائے یا حد سے کم ہو جائے تو بلڈ پریشر کہلاتا ہے۔

عام طور پر 120/80mmHg کو نارمل بلڈ پریشر تصور کیا جاتا ہے۔

اگر دباؤ زیادہ ہو جائے تو ہائی بلڈ پریشر (Hypertension)

اگر دباؤ کم ہو جائے تو لو بلڈ پریشر (Hypotension)

دونوں صورتیں جسم کے لیے خطرناک ہو سکتی ہیں، مگر ہائی بلڈ پریشر کو خاص طور پر زیادہ سنگین سمجھا جاتا ہے۔

**ہائی بلڈ پریشر کے اسباب:** یہ بیماری اکثر آہستہ آہستہ جنم لیتی ہے۔ بعض اوقات لوگ سالوں تک اس میں مبتلا رہتے ہیں اور انھیں پتا بھی نہیں چلتا۔

# فشارِ خون

حفصہ سلطان

**چند عام اسباب درج ذیل ہیں:**

- ذہنی دباؤ اور پریشانی
- غیر متوازن غذا (زیادہ نمک، چکنائی، فاسٹ فوڈ)
- ورزش نہ کرنا
- موٹاپا
- خاندانی/وراثتی اثرات
- نیند کی کمی
- تمباکو نوشی اور شراب نوشی
- گردوں کی بیماریاں یا ہارمونی مسائل

**علامات:** بلڈ پریشر کی خطرناک بات یہی ہے کہ یہ اکثر علامات کے بغیر ہوتا ہے۔ تاہم، کچھ ایسی علامات جو محسوس ہوتی

- سر درد
- چکر آنا
- دل کی دھڑکن تیز ہونا
- نظر دھندلا ہونا
- سینے میں دبا
- بے چینی اور تھکن

**خطرناک اثرات:** اگر ہائی بلڈ پریشر کا بروقت علاج نہ کیا جائے تو یہ کئی سنگین مسائل پیدا کر سکتا ہے:

- دل کا دورہ (HeartAttack)
- فالج (Stroke)
- گردوں کی خرابی
- نظر کا کمزور یا ضائع ہو جانا
- دماغی کمزوری یا بھولنے کی بیماری

**علاج سے زیادہ اہم احتیاط:** بلڈ پریشر کیسے کنٹرول رہے؟

- نمک کا کم استعمال
- متوازن غذا اپنانا (سبزیاں، پھل، کم چکنائی)
- وزن میں کمی
- روزانہ کم از کم ۳۰ منٹ چہل قدمی یا ورزش
- بلڈ پریشر کی باقاعدہ چیکنگ
- ذہنی سکون کے لیے مراقبہ، نماز، ذکر و استغفار
- ادویات وقت پر اور ڈاکٹر کے مشورے سے لینا

**بلڈ پریشر بڑھاتی چند غلطیاں:**

- رات دیر تک جاگنا اور نیند کی کمی
- بار بار کیفین (چائے، کافی) کا استعمال
- اسٹریس سے نمٹنے کے لیے تمباکو یا میٹھے مشروبات کا سہارا لینا
- غصہ روکنا یا اندر ہی اندر دبانا
- نمکین اسنیکس، چپس، اچار اور پراسیسڈ فوڈ
- تیز بلڈ پریشر کا ایک بڑا سبب ذہنی دباؤ ہوتا ہے
- استغفار، تلاوت، مراقبہ اور پُرسکون عبادات دل کو سکون دیتی ہیں
- مثبت سوچ، لوگوں سے درگزر، معاف کرنا جذباتی دباؤ کم کرتے ہیں
- ہنسنا، شکر گزار رہنا اور شکایت کم کرنا دل ہلکا ہوتا ہے

**بلڈ پریشر اور خواتین:** حمل کے دوران کچھ خواتین کو بلڈ پریشر کی شکایت ہو جاتی ہے، جسے پری ایکلیمپسیا کہا جاتا ہے۔

خواتین کو حمل کے مراحل میں اپنے بلڈ پریشر پر خاص توجہ دینی چاہیے۔

**معاشرتی پہلو:** ہمارے ہاں لوگ بیماری کو سنجیدہ لینے کے بجائے جادو، جنات یا "بس نظر لگ گئی ہے" جیسے جملوں سے خود کو تسلی دے دیتے ہیں۔ بلڈ پریشر کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ یہ مستقل نگرانی اور سنجیدگی کا تقاضا کرتا ہے۔

اگر کسی بزرگ کو بلڈ پریشر ہو تو صرف دوا دے دینا کافی نہیں، ان کے ذہنی سکون، روزمرہ کے معمولات اور جذباتی سپورٹ پر بھی توجہ دینا ضروری ہے۔

یاد رکھیے! بلڈ پریشر کوئی وقتی تکلیف نہیں، بلکہ ایک مسلسل جنگ ہے جو جسم خاموشی سے لڑ رہا ہوتا ہے۔ ہمیں اس کا علاج صرف دوا سے نہیں، طرزِ زندگی سے بھی کرنا ہوگا۔ وقت پر چیک اپ، مناسب غذا، ذہنی سکون اور باقاعدہ ورزش۔۔۔ یہی وہ ہتھیار ہیں جو ہمیں اس خاموش دشمن سے بچا سکتے ہیں۔ اپنی صحت کو سنجیدگی سے لینا چاہیے، کیونکہ صحت ہے تو سب کچھ ہے۔

# آہ!

ملائکہ سلیمان

انسان کا دل ہی ہوتا ہے۔ جو خوشی و غم اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ زیست میں اِردگرد ہمیں ایسے بہت سے انسان دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ جو پریشانی میں گھرے رہتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کو درد دینے سے باز نہیں آتے۔ نہ جانے ان کے سینے میں دل ہوتا ہے یا نہیں۔۔۔؟

دوسروں کا دل دُکھانے کے بعد جانے کیسے وہ مطمئن ہو کر اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ انھیں اُس شخص کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اپنے کیے گئے گناہ کی۔ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کا فیصلہ رب ہی کرتا ہے۔ بے شک اللہ دلوں کے حال جاننے والا ہے۔ جانے انجانے میں ہم اکثر اپنی زبان سے کچھ ایسا کہہ دیتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک وہ معمولی سی بات ہوتی ہے، مگر سامنے والے کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں رخسار کو تر کرنے کے لیے بے تاب ہوتی ہیں۔ لب خاموش جب کہ دل اتنی شدّت سے تکلیف محسوس کرتا ہے کہ بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کوشش کریں، اپنی وجہ سے کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دیں۔

اس شخص کی آہ سے بچیں، جو خاموشی سے آپ کے دیے گئے ظلم و ستم کو سہتا رہتا ہے، کیوں کہ مظلوم کی آہ عرش تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔ سیدھا ربِ کریم کے پاس جاتی ہے۔

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کو بہترین اجر دینے والا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو تکلیف و درد دینے کی بجائے ان کی پریشانی کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے معصوم بچے جو گلی کوچوں میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ ان کی مدد کریں۔ انھیں ایک وقت کی روٹی اس طرح کھلا دیں کہ آپ اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے۔ اللہ کی دی گئی نعمت کو حاجت مندوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ جتنا ہو سکے اتنا امداد کریں۔ دوسروں کی آنکھوں میں خود کے لیے نفرت نہیں بلکہ دلوں میں محبت پیدا کریں۔ زندگی فانی ہے۔

سب نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے، کیوں نہ دوسروں کی دعائیں، محبت اور خلوص کے سمندر سے اپنے دامن کو بھر لیں۔

کیوں کہ دل دُکھانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا سوائے آہ لینے کے۔

# بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

## اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی/پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

## مناسب قیمتوں میں

## مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

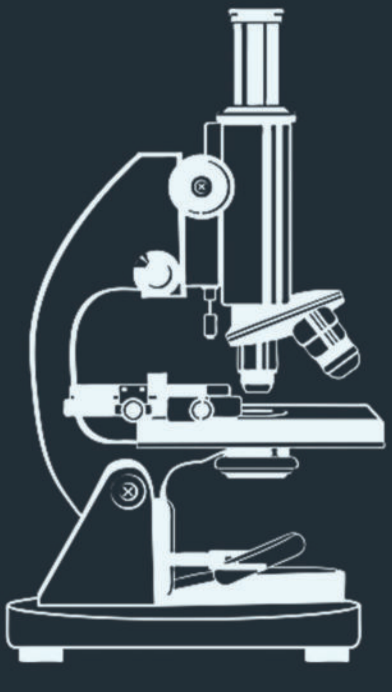

## برائے رابطہ


+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراونڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

# پانچ چراغ

ہانیہ عبدالشکور

وادی میں بکھری برف کی چادر تلے خانقاہ نما ایک پرانا گھر واقع تھا۔اِس کا نام ”دارالوفا“ تھا، وفا و محبت کا گھر۔ یہ گھر پانچ دوستوں کا مشترکہ ٹھکانا تھا، جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن روحیں محبت کی لڑی سے جُڑی ہوئی تھیں۔

1۔یوسف گل، پہاڑوں سے آیا ایک نڈر، بے خوف سپوت، لیکن دل کا اتنا ہی نرم! فقہی علم میں گہری نظر رکھنے والا۔جب وہ تلاوت کرتا تو لگتا پوری کائنات صرف اسے ہی سننے کی خواہاں ہے۔

2۔ عزیز، سر سبز میدانی علاقوں سے آیا تھا۔اُس کے قہقہوں میں کھیتوں کی ہریالی تھی اور اُس کے قلم سے نکلتے خوشخط حروف ایسے تھے جیسے بارش میں بھیگتے خوشبودار پتے۔وہ دوستوں کے دِلوں پر نقش چھوڑ دیتا۔نرمی، شکر گزاری اور خوشبو کا پیکر۔

3۔ سلیم، نرم ہوا والے ساحلی علاقے سے تھا، جہاں درخت جھومتے تھے اور سمندر شور کرتا تھا۔ اُس کے قدم خاموش تھے، مگر دل ایسا جو ہر زخمی دل کے لیے پناہ بن جائے۔ وہ صرف پودے اُگاتا نہیں تھا، بلکہ وہ اُمیدیں اُگاتا تھا۔مایوسیوں کو اُمید کی سحر میں بدلنے کا ہنر جانتا تھا۔

4۔ عمر، ریت نگر سے آیا، وہ صحرا کا بیٹا تھا۔اُس کی آنکھوں میں دُور تک پھیلے سنہری افق کی تنہائی تھی اور دل میں ایسی وسعت، جیسے دھوپ میں بھی سایہ بن جائے۔

اُس کی دعا میں وادیوں کا سکوت اور آسمانوں کی کشش تھی۔ وہ بولتا کم تھا، مگر جب بولتا، خاموشیاں پگھل جاتی تھیں۔وہ تجارت، طب اور روحانی علم میں ماہر تھا۔

5۔ بلال، بلند سرد وادیوں سے آیا تھا، جہاں راتیں طویل ہوتیں اور ستارے قریب دِکھائی دیتے۔پُراثر تقریر اور عشقِ نبی ﷺ سے مزیّن نظمیں کہنا اُس کی فطرت تھی۔اُس کے اشعار برف میں جمی لکیر کی طرح تھے نرم، مگر دیرپا۔

یہ پانچوں دارالوفا میں مل کر رہتے، عبادت کرتے، کھانا پکاتے اور دنیا سے کٹے اس مقام کو محبت کا مرکز بنائے ہوئے تھے۔ان کی گفتگو میں تہذیبوں کے رنگ ہوتے، ان کے قہقہوں میں اقوام کی شیرینی۔

ایک دن برفباری کے دوران ایک اجنبی شخص اس علاقے میں آیا۔اُس کا نام فیروز تھا۔ وہ ایک خوش شکل، خوش لباس شخص تھا، جو بظاہر علم و حکمت کی باتیں کرتا تھا، لیکن اُس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جیسے وہ الفاظ سے زخم دینا جانتا ہو۔

فیروز جلد ہی دارالوفا پہنچا اور وہاں چند دنوں کے لیے مہمان بن گیا۔ وہ بظاہر عاجز، دین دار اور علم دوست نظر آتا تھا۔یوسف نے اُسے خوش آمدید کہا، عمر نے اُس کے لیے کھانے میں خاص اہتمام کیا۔ سلیم نے اس کے قیام کے لیے نرم بستر تیار کیا، بلال نے اپنی تازہ نظم سنائی اور عزیز نے اُسے سیر کرائی۔

مگر فیروز کی آنکھوں میں دوستی کا نہیں، دراڑیں ڈالنے کا خواب تھا۔ وہ ایک فتنہ پرور انسان تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ پانچوں دوست، جو ایک مثال بنے ہوئے تھے، ٹوٹ جائیں، تاکہ وہ کہہ سکے: ”وحدت ناممکن ہے۔

فیروز نے رفتہ رفتہ ہر ایک دوست کے کان میں دوسرے کے خلاف چپکے چپکے زہر گھولنا شروع کر دیا۔

عزیز سے اُس نے کہا، ”کیا تم نے دیکھا، عمر کیسے خاموش رہتا ہے؟ شاید وہ تمہیں ناپسند کرتا ہے۔“

عمر سے کہا، ”سلیم بہت باتیں کرتا ہے، شاید وہ تمہیں نیچا دِکھاتا ہے۔“

بلال سے کہا، ”یوسف تمہاری شاعری کو بچکانہ کہتا ہے، تم نے سنا نہیں؟“

سلیم سے کہا، ”عزیز کی آنکھوں میں تمہارے لیے طنز ہے، دیکھو کبھی غور سے۔“

یوسف سے کہا، ”بلال تم پر شک کرتا ہے، اُس نے تمہارے علم پر سوال اٹھایا۔“

یوں رفتہ رفتہ، دارالوفا کی دیواروں پر محبت کی بجائے خاموشی اور شکوے چھانے لگے۔ دستر خوان پر بیٹھے یہ پانچ وجود ایک دوسرے سے نظریں چُراتے، دل میں الجھے ہوئے سوال لیے خاموش رہتے۔

ایک رات، جب سرد ہوائیں دارالوفا کے درختوں کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ بلال نے اپنی ایک تازہ نظم سنانے کی کوشش کی، لیکن کسی نے توجہ نہیں دی۔ وہ خاموش ہو گیا اور اچانک اُٹھ کر چل دیا۔اُس رات وہ دیر تک اپنے وطن کی یاد میں روتا رہا۔

سلیم نے اپنے پودوں کی طرف دیکھا، جو پژمردہ ہو چکے تھے، جیسے وہ بھی دارالوفا کی فضا سے افسردہ ہوں۔

اسی رات، یوسف نے خاموشی توڑی۔ اُس نے سب کو ایک ساتھ نمازِ تہجد کے لیے جگایا۔ پانچوں ایک صف میں کھڑے ہوئے، لیکن دل بِکھرے ہوئے تھے۔ سجدے میں اُن کے آنسو قالین کو تر کر گئے۔

نماز کے بعد یوسف نے آہستہ سے کہا، ”مجھے فیروز نے بلال کے بارے میں کچھ کہا تھا، لیکن میں جانتا ہوں، بلال ایسا نہیں ہو سکتا۔“

بلال نے چونک کر کہا، ”مجھے بھی فیروز نے تمہارے بارے میں بات کہی تھی۔“

پھر سب نے ایک ایک کر کے فیروز کی چالیں آشکارا کیں۔ سب خاموش ہو گئے۔ فضا میں ایک بوجھل سی خاموشی تھی، پھر عزیز نے ایک جملہ کہا:

”شاید فیروز ہم سے محبت چھیننا نہیں چاہتا تھا، وہ بس یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ محبت ممکن ہی نہیں۔“

یوسف نے کہا، ”تو ہم اُسے غلط ثابت کریں گے۔“

اگلے دن، فیروز ناشتے کے لیے نیچے آیا تو منظر یکسر بدل چکا تھا اور پانچوں دوست ہنس رہے تھے۔ بلال آواز بلند کر کے نظمیں سنا رہا تھا، سلیم چائے لا رہا تھا، یوسف قرآن کی آیت پڑھ رہا تھا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

فیروز کچھ لمحوں کے لیے حیران رہ گیا، پھر کہا، ”تم لوگ بہت جلدی بدل گئے۔“

یوسف نے مسکرا کر کہا، ”نہیں فیروز! ہم واپس اصل کی طرف لوٹ آئے ہیں۔“

عمر نے نرمی سے کہا، ”تم نے ہم سب کو آئینہ دکھایا اور ہم نے اس میں خود کو پہچان لیا کہ ہم ایک وجود کی مانند ہیں، ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں، شکریہ۔“

فیروز خاموش ہو گیا۔ شاید اُس نے پہلی بار اپنی چال کی ناکامی دیکھی تھی۔ اُس نے جانے کی اجازت مانگی اور چلا گیا۔۔۔ تنہا، شکست خوردہ، لیکن شاید کسی اور جگہ اپنی چال چلنے کے لیے۔

دارالوفا پھر وہی دارالوفا بن گیا۔ پانچ چراغ جو ایک ساتھ جلتے تھے، اُن کی روشنی اور بھی بڑھ گئی۔ اب وہ جانتے تھے کہ محبت کی حفاظت بھی ’حکمت‘ سے ہوتی ہے۔ ہر اختلاف کا جواب فتنہ نہیں، فہم ہوتا ہے۔ ہر سازش کا جواب بدگمانی نہیں، بھائی چارہ ہوتا ہے۔

پانچوں نے ایک نظم لکھی اور اُس کا عنوان تھا:

”فتنے ہار جاتے ہیں، جب دِل جُڑتے ہیں۔“

# لفظ

## خار بھی مرہم بھی

عیناعمیر شیخ

ریلوے اسٹیشن پر عجیب گہما گہمی تھی۔ مسافروں کی چہل پہل، شور و شغب، نفسی نفسی کا عالم تھا۔ میری گاڑی کے آنے میں ابھی وقت تھا۔ آج طویل عرصے کے بعد راولپنڈی چچا جان سے ملاقات کے لیے زادِ سفر باندھا تھا۔ عرصہ پہلے معمولی سی بات پر ان سے جھگڑ کر میں پشاور آ گیا تھا۔ آپا جان نے کل فون پر بتایا کہ چچا کی حالت ناساز ہے، زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ مجھ سے رہا نہیں گیا، اپنا رختِ سفر باندھ کر اسٹیشن کا رُخ کر لیا۔

ریلوے اسٹیشن پر دو آدمی آگے پیچھے چل رہے تھے۔ پیچھے والے کے ہاتھ میں ایک بڑا باکس تھا، تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس کا باکس اگلے آدمی کے پاؤں سے ٹکرا گیا۔ وہ پلیٹ فارم پر گر پڑا۔

پیچھے والا آدمی فوراً ٹھہر گیا اور شرمندگی سے بولا کہ "مجھے معاف کیجیے!" آگے والے آدمی نے اس کو سنا تو وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے کہا: "کوئی بات نہیں!" پھر دونوں اُٹھ کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بینچ پر بیٹھے میں یہ منظر بغور دیکھ رہا تھا، کتنی آسانی سے معاملہ حل ہو گیا۔

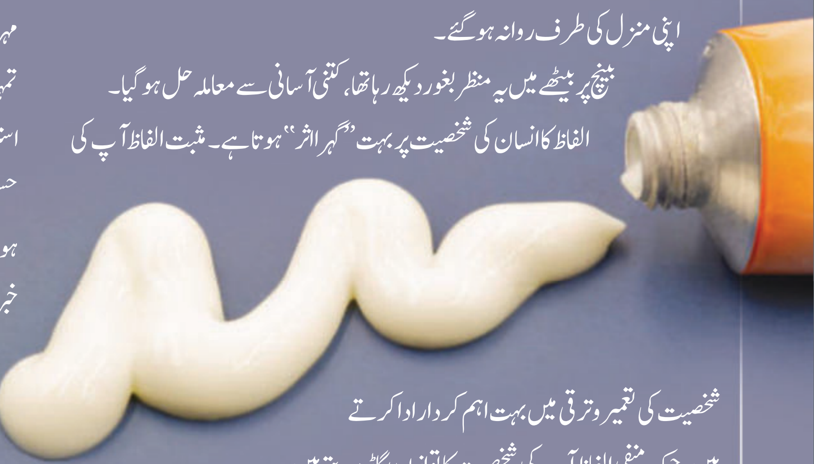

الفاظ کا انسان کی شخصیت پر بہت "گہرا اثر" ہوتا ہے۔ مثبت الفاظ آپ کی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، جبکہ منفی الفاظ آپ کی شخصیت کا توازن بگاڑ دیتے ہیں۔

دنیا کا ایک اصول ہے، اگر آپ کسی کی معمولی سی تعریف کریں گے تو وہ آپ کی بات سے بہت خوش ہو جائے گا اور آپ کو بہت عزّت دے گا، لیکن ہم عموماً اس معاملے میں بہت کنجوسی کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ میں اس کی تعریف کیوں کروں؟ اس نے تو کبھی میری تعریف نہیں کی۔ ہم کسی بھی شخص کو ترقی کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کا حوصلہ بڑھانے کی بجائے اس کو مشکلات اور مسائل سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ ہم ہر پہلو کو تنقید کی نظر سے دیکھیں گے اور اس کے بارے میں اپنی رائے بھی منفی انداز میں دیں گے، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان الفاظ کا دوسرے پر کیا اثر ہو گا۔

کاش! میں چچا کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آیا ہوتا، شاید زندگی کہیں زیادہ پُرسکون اور حسین ہوتی۔۔۔ اسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سامنے ایک بوڑھا شخص بدمزاج نوجوان سے ٹکرا گیا۔ نوجوان چلا اٹھا: "تم اندھے ہو، نظر نہیں آتا۔" یہاں معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا۔ نوجوان کی بدکلامی ہمیشہ کے لیے اپنا اثر چھوڑ گئی۔

بوڑھا شخص درد کو سمیٹے آنسو پونچھتے ہوئے میرے پاس بینچ پر آ کر بیٹھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔ "بیٹا! غلطی اس جوان خون کی نہیں ہے، غلطی ہماری ہے۔ ہم نے نئی نسل کی تربیت درست نہیں کی، ہم نے ادب نہیں سکھلایا، حالاں کہ دین تو سارا کا سارا ادب ہے۔"

بوڑھے شخص کو میں نے پانی پلایا اور پاس بیٹھ گیا۔ میں بڑے میاں کی بات کو بغور سننے لگا۔ گویا ایسا محسوس ہونے لگا کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ دِکھلانا چاہتا ہے۔

بیٹا! "تم ابھی نادان ہو، لفظوں کی اہمیت نہیں جانتے ہو، ایک لفظ کسی کی پوری زندگی تبدیل کر دیتا ہے، الفاظ جہاں زندگی دیتے ہیں، وہی زندگی چھین بھی لیتے ہیں۔ نرم خوئی اور نرم مزاجی بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی وصف ہے۔ بے شمار فوائد و منافع کا حامل ہے، اسی لیے آپ ﷺ جہاں بہت سے اوصافِ حمیدہ کی مجسم تصویر تھے، وہیں نرم خوئی اور نرم مزاجی بھی آپ ﷺ کا خاص وصف تھا۔ خود قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس قیمتی وصف کا تذکرہ فرمایا ہے: "اے پیغمبر (ﷺ)! آپ اللہ کی مہربانی سے ان لوگوں کے لیے نرم ہوں، ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، لہٰذا اُنھیں معاف کر دیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے۔"

حسنِ اخلاق وہ قیمتی زیور ہے، جس سے آراستہ ہونے والے شخص کو آپ ﷺ کا محبوب ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے اور روزِ محشر اس کو آپ ﷺ سے قریب ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ یہ وہ بیش بہا وصف ہے، جس کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے اور اس کو کمالِ ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ خوش اخلاق اور خوش اطوار انسان خالق و مخلوق ہر دو کی نگاہوں میں محبوب اور منظورِ نظر ہوتا ہے۔ یہ وہ جاذبِ نظر اور خوش نما ہتھیار ہے، جس سے بغاوت پسند اور سرکش لوگ قابو میں آ جاتے ہیں اور اپنی زندگی میں صالح اور خوش گوار انقلاب لے آتے ہیں۔

"بڑے میاں! مجھے کچھ اور بھی نصیحت کیجیے، آپ کی باتیں کافی گہری اور سبق آموز معلوم ہوتی ہیں۔"

"بیٹا! تم نصیحت کی بات کرتے ہو، تو سنو! کبھی اچھی بات بھی لہجے کی سختی سے بری معلوم ہوتی ہے۔ زبان کو شر و آفات سے بچانے کے لیے خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ عقل مند سوچتا زیادہ، بولتا کم ہے، جو جتنا بولتا ہے غلطیاں بھی اتنی زیادہ کرتا ہے۔"

حدیث میں آتا ہے: "جو خاموش رہا، اس نے نجات پائی۔"

ہم بہت سی باتیں بے سوچے سمجھے کہے جاتے ہیں، ہمیں خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ مختصر کلمہ ہمیں جنّت تک پہنچا دیتا ہے، بعض دفعہ جہنم کی راہ دِکھلاتا ہے۔

دور سے ریل گاڑی کی آواز سنائی دینے لگی، میں نے بڑے میاں کا ان انمول موتیوں کے عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا اور عزم کر لیا کہ چچا کو منائے بغیر اب نہ لوٹوں گا۔۔۔

# یقینِ کامل

راحیلہ خان ایڈوکیٹ

ایئر پورٹ کنٹرول روم میں اُس وقت سناٹا چھا گیا، جب کچھ ہی دیر قبل اڑان بھرنے والے جہاز سے یہ اطلاع دی گئی کہ جہاز میں تکنیکی خرابی کے پیشِ نظر جہاز واپس موڑا جارہا ہے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی، جہازوں میں اڑان بھرنے کے بعد بھی خرابیاں ہوتیں رہتی ہیں، مگر آج خاص بلکہ خاص الخاص بات یہ تھی کہ یہی جہاز تھوڑی دیر قبل بھی خرابی کی وجہ سے واپس موڑا گیا تھا۔ تکنیکی عملے سمیت سب ہی پریشان ہوئے کیوں کہ یہ ان کی ذمے داری تھی، مگر اس وقت جہاں سب پریشان تھے ایک فرد ایسا تھا جو کہ بے حد خوش ہوا تھا، جو کئی گھنٹوں سے اس جہاز میں سوار ہونا چاہتا تھا، مگر (مبینہ طور پر) اس کے نامکمل کاغذات کی بنا پر اس کو دو دفعہ روکا گیا، پہلی دفعہ جب جہاز اس کو سوار کیے بغیر چلا گیا، دوسری بار جب تکنیکی خرابی کی بنا پر واپس آیا تو عامر نے بڑی کوشش کی، لیکن پائلٹ نے جہاز کے دروازے کھولنے اور اس کو سوار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن عامر کو اللہ کے اپنے در پر بلاوے اور حج کی سعادت عطا ہونے کا اتنا یقین تھا کہ وہ گھر نہیں گیا۔ ایئر پورٹ کے عملے نے کئی بار کوشش کی، مگر عامر ٹس سے مس نہیں ہوا۔ اس کو اللہ کی رحمت کا یقین تھا، اللہ سے وہ خوش گمان تھا، وہ انتظار میں ائیر پورٹ موجود رہا، یہاں تک کہ جہاز تکنیکی مسئلے کے حل کے بعد عامر کو لیے بغیر ہی اڑان بھر گیا۔

ایک طرف عامر اللہ کی عطا سے مایوس نہیں تھا تو دوسری طرف اللہ کو عامر کے شوقِ دیدارِ کعبہ اور ادائے حج کی تڑپ اور سب سے بڑھ کر ربُّ العالمین پر یقینِ کامل نے متوجّہ کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو پیار سے حجازِ مقدّس کی طرف اڑان بھرتے جہاز کو دیکھتے، دوبارہ انتظار کرتے اور ایک بار بھی مایوس نہ ہونے پر دیکھ رہے تھے۔ اس مسافر کو اپنے اس بظاہر ناممکن سفر کا اتنا یقین تھا کہ وہ ائیر پورٹ کے انتظار گاہ کو چھوڑنے اور گھر لوٹنے کو تیار ہی نہ تھا۔ یہ وہی اللہ کا نیک بندہ تھا جو سالوں سے اس ایک سفر کا انتظار کر رہا تھا، جس نے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ سے اپنے بلاوے کی استدعا کی تھی، جو ایک بار اللہ کے در پر سجدہ ریز ہونا چاہتا تھا، جو ایک بار اللہ کے محبوب کو سلام کرنا چاہتا تھا، جو چاہتا تھا کہ وہ اسلام کا اہم ترین رکن حج ادا کرے، اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور اپنے لیے رحمت کی التجا کرے، آج وہ کیسے گھر چلا جاتا۔

ایک طرف اللہ اور اس کے فرشتے اس بندے کی طرف متوجہ تھے تو دوسری طرف شیطان بے چین تھا، اسے بالکل یہ استقامت پسند نہیں آرہی تھی، اللہ کی رحمت کی اُمید پر جہاز کے دوبارہ اڑان بھرنے کے باوجود ایئر پورٹ پر براجمان رہنا اس کو بالکل اچھا نہیں لگا، اس ابنِ آدم کا یہ ایمان، یقینِ کامل، ذوقِ وصل، عشقِ حقیقی، شوقِ عبادت اور راضی برضا ہونا شیطان کو جلا گیا تھا۔ لو بھلا! اس آدم کی اولاد کی یہ مجال کہ یہ تو ساری رحمتیں لوٹ لے گا، قیامت سے قبل ہی جنت کا حق دار بن جائے گا۔ یہ تو حاجیوں سے کنکریاں کھانے سے بھی زیادہ ذلت آمیز تھا۔ اس نے اس بندے کو مایوس کرنے کے لیے اپنے سارے چیلے بلوالئے، مگر یہ بندہ تھا کہ یقینِ مجسم کہ اس کا ایمان ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا، بیٹھا تھا۔ ہو سکتا ہے شیطان کو یہ فکر ہونے لگی ہو کہ اگر یہ نہ گیا تو کہیں اس کا انتظار کرتے کرتے ثواب پہاڑوں سے نہ بڑھ جائے۔

دوسری طرف اللہ نے بڑے پیار سے اپنے بندے کو دیکھا، پھر اپنے بندے کے صبر کو شکر، انتظار کو ملاقات اور جدائی کو وصل میں بدلنے کا فیصلہ صادر کیا اور ایک بار پھر جہاز موڑ ڈالا۔ اب کی بار وہی پائلٹ جو گیٹ کھولنے کو تیار نہیں تھا، اب عامر کو لیے بنا جانے کو تیار نہیں تھا۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ارسلان اللہ خان ارسلؔ

مطلعِ انوار ہیں حضرت عُمر
کُفر سے بیزار ہیں حضرت عُمر

قیصر و کسریٰ ہیں جن سے کانپتے
وہ سپہ سالار ہیں حضرت عُمر

شک نہیں ہر ایک کی امداد کو
مومنو تیار ہیں حضرت عُمر

جن کے دیکھے سے ڈرے ابلیس خود
اس قدر جی دار ہیں حضرت عُمر

ہے خلافت جس کی میلوں دور تک
ہاں وہی سردار ہیں حضرت عُمر

کیا بھلا ہو مومنوں کو غم کوئی
باخُدا غم خوار ہیں حضرت عُمر

مُشکلوں میں کیوں نہیں طاغوت ہو
تیغِ بے زنہار ہیں حضرت عُمر

ارسلاں وہ ہیں بہادر اور جری
صاحبِ کردار ہیں حضرت عُمر

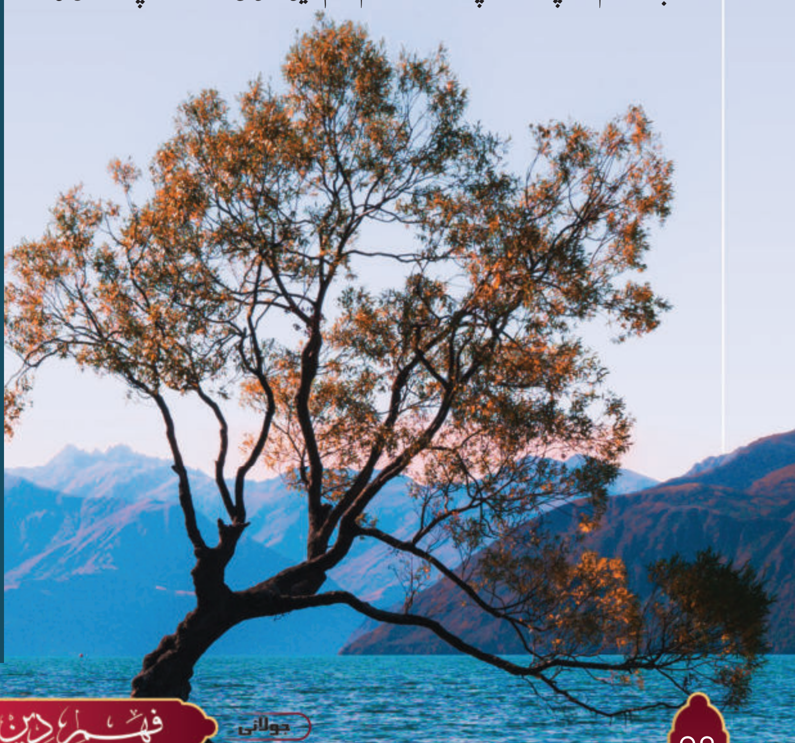

عالمی ادارہ

# بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

# 2200+

## یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

# حلیم کا غبار

اُمِّ محمد سلمان

"لو بھئی! پھر شروع ہو گئے ان کے نوحے اور مرثیے۔۔۔ رات دن ڈیک بج رہے ہیں، مرثیے چل رہے ہیں، وہ بھی اتنی اونچی آواز میں۔ اِئے میں کہتی ہوں انس کے ابا! یہ سامنے والے پڑوسی کیا دنیا میں صرف ہمیں ستانے کے لیے آئے ہیں؟؟"

کلو بھائی پان شاپ والے کا میٹھا خوش بودار پان منہ میں رکھتے اور دانتوں تلے دباتے ہوئے زیتون بیگم اپنے میاں سے مخاطب تھیں جو ہنوز اخبار میں سر دیے بیٹھے تھے اور بیگم کی بات پہ چنداں کان نہیں دھرے۔

"اے بھئی انس کے ابا! سنتے ہیں کہ نہیں؟؟" زیتون بیگم کی آواز کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی جلال نمودار ہونے کو تھا۔ خشمگیں نگاہیں شوہر نامدار پر جمی تھیں جنھوں نے ان کی بات سنی ان سنی کرنے کی ہمت کر ڈالی تھی۔

"ارے بھئی سن رہے ہیں سب! سنے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ بس کیا کہہ سکتے ہیں بیگم! جہاں اور اتنی پریشانیوں کا سامنا ہے، وہاں اسے بھی ایک آزمائش سمجھ کر قبول کر لیجیے تو زندہ رہنے میں ذرا آسانی رہے گی۔"

وہ اخبار لپیٹ کر گود میں رکھتے ہوئے بولے۔

"ارے بھئی! کیسے قبول کر لیں۔۔۔ انھوں نے تو حد کر دی ہے۔ ہر موسم کی ریکارڈنگ ان کی پاس موجود ہے۔ ربیع الاوّل میں نعتوں اور قوالیوں سے تواضع کرتے ہیں، اگست میں ملی نغمے سنا سنا کے کان پھاڑے دیتے ہیں۔ عام دنوں میں عجیب فضول واہیات فلمی گیت اور ماہیے ٹھپے لگائے رکھتے ہیں اور برسات میں تو چھب ہی نرالی ہوتی ہے۔۔۔ جانے ان کی وہ کون سی ناکام محبت تھی جو صرف برسات کے دنوں میں گانوں کی صورت یاد آتی ہے۔ کچھ دیر تو رک جاؤ برسات کے بہانے، کر لیں گے چار باتیں اس بات کے بہانے۔۔۔" بیگم نے کسی پرانے پاکستانی گانے کے بول دہرائے۔

"ویسے اڑتی اڑتی سنی تھی کہ اپنی جوانی میں بڑا دھواں دار عشق فرمایا تھا موصوف نے، مگر بات بنی نہیں!! محبوبہ کے ابا نے رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح لڑکی سے ایک بار ملاقات ہو جائے، مگر ان کی ایک نہ چلی۔ دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ اب شاید انہی کو بیٹھے یاد کرتے ہیں اور خدا جانے وہ کون سی چار باتیں تھیں جو انھیں ہر برسات میں یاد آ جاتی ہیں۔ اِدھر چھاجوں مینہ برستا ہے، اُدھر ان کے دل میں دھواں اٹھتا ہے۔"

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو بیگم! اور یہی دھواں جو وہ دل میں جمع کرتے ہیں، وہ آٹھ محرم کو ساری رات حلیم کی دیگیں پکا پکا کے ہماری آنکھوں اور سانسوں میں انڈیلتے ہیں۔ ایسی گرمی میں بھی کھڑکی دروازے بند کر کے بیٹھنا پڑتا ہے کہ یہ کم بخت دھواں ہماری کٹیا میں داخل نہ ہو سکے، مگر لگتا ہے کہ اس دھوئیں کو بھی ہم سے کوئی پرانا بیر ہے کہ ساری سمتیں چھوڑ کے ہمارے ہی غریب خانے میں گھسا چلا آتا ہے۔۔۔ نا ہنجار کہیں کا!" انھوں نے ہاتھ میں پکڑے اخبار کو دونوں ہاتھوں سے ایسے جھٹکا گویا اخبار نہیں خود پڑوسی کے کندھے ان کے ہاتھوں میں ہیں!!

"اور نہیں تو کیا۔۔۔ دیکھا نہیں تھا پچھلے سال کیا حشر ہوا، بڑی آپا یہاں دو دن رکنے کے لیے آئی تھیں کہ پہلی رات ہی دیگوں کے نیچے سے نکلنے والے دھوئیں سے چھینک چھینک کر بے حال ہو گئیں اور صبح ہی صبح رختِ سفر باندھ لیا بے چاری آپا نے۔ بہتیرا سمجھایا رات گئی بات گئی اب کہیں سے دھواں نہیں آئے گا، مگر وہ نہ مانیں کہ خدانخواستہ آج رات اگر دوسرے پڑوسیوں کو حلیم پکانے کا غبار چڑھ گیا تو ان کا کیا بنے گا۔ جاتے جاتے بھی توبہ کر کے گئیں کہ آئندہ کبھی محرّم کے مہینے میں تمہارے گھر نہیں آنا اور واقعی سچ ہی کہتی تھیں بے چاری، یہاں تو پورے مہینے کسی نہ کسی کی دیگ چڑھی ہی رہتی ہے۔ کوئی حلیم بنا کے بانٹتا ہے کوئی بریانی۔ خود ساختہ ثواب کے طریقے ہیں سب! پڑوسیوں کی تکلیف کا بالکل خیال نہیں۔ ایسا ہی حلیم بانٹنے اور کھانے کا شوق ہے تو کسی پکوان سینٹر سے پکی پکائی دیگ خرید لائیں۔ پورے سال کے دوران کوئی بھی تقریب ہو، کھانا ہمیشہ باہر سے تیار آتا ہے ان لوگوں کا، مگر محرم کے حلیم کو جانے کیوں گھر کے سامنے ہی پکانے کو ترجیح دیتے ہیں!! شاید اس میں ثواب زیادہ ملتا ہو گا۔۔۔ پھر اوپر سے یہ تیز آواز میں چلتے ڈیک۔۔۔ اور ہمارے سروں پر ناچتا بل کھاتا یہ کڑوا کسیلا دھواں، اُف خدایا! کہاں پھنس گئے ہم لوگ بھی۔ انس کے ابا! میں تو کہتی ہوں گھر ہی بدل لیں۔ کسی پُرامن علاقے میں گھر دیکھیں جہاں ایسے من چلے لوگ نہ بستے ہوں۔"

"ہاں بیگم کہتی تو ٹھیک ہو، مگر جائیں گے کہاں! ہر گلی محلے میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ موجود ضرور ہوتے ہیں۔"

"ارے تو تھانے میں جا کر رپورٹ لکھوائیے نا ان کی۔۔۔!" بیگم نے تڑخ کر جواب دیا۔

"ارے بیگم! کیسی باتیں کرتی ہو؟؟ پڑوسیوں کے اتنے حقوق ہوتے ہیں، اب ہم کیا ان کے خلاف رپورٹ لکھوائیں گے جا کر۔۔۔ استغفراللہ!!" انس کے ابا کو انتہائی ناگوار گزری یہ تجویز۔

"ارے بھئی! حقوق کیا صرف ان کے ہم پر ہیں، ہمارا ان پر کوئی حق نہیں! کیا اتنا بھی نہیں کہ وہ اپنے دھوئیں اور ڈیک کی اونچی آوازوں سے ہمیں محفوظ رکھیں۔۔۔" زیتون بیگم اب رو دینے کو تھیں۔

"ارے بیگم! حقوق کی کیا بات کرتی ہو، پڑوسی کے حقوق تو اتنے ہیں کہ اسلام میں بار بار

بقیہ صفحہ نمبر 32 پر

# بچھڑی سہیلی

امیمہ حماد

مارچ 2017

یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میں نے فیس بک پہ اشتراک کیا تھا اور وہ تیسرے دن میرے ساتھ شامل ہوئی تھی۔ یہ دن اپنی جزئیات سمیت اس لیے یاد ہے کہ وہ میری تصوّراتی خاک کے میں رہنے والی محبوب سرزمین کی باسی تھی۔ وہ تطہیر احمد تھی یعنی القدس کی بیٹی۔۔۔!

ہم دونوں بات چیت کے لیے ٹوٹی پھوٹی انگریزی کا سہارا لیتے تھے۔ ہمارے اوقات میں بہت فرق تھا، لیکن ہماری دوستی بنا کسی مناسبت کے قائم تھی۔ ہر چند کہ ہماری زبان بھی ایک نہ تھی، لیکن شاید جذبات کسی زبان کے محتاج نہیں ہوتے۔ ہم دونوں میں کلمے کے علاوہ سندِ حفظ مشترکہ تھی۔ وہ عربی طرز میں قرآن سناتی تو میرا عجمی لہجہ ہوا کرتا تھا۔ یوں دن گزرتے گئے اور گزرتے دنوں کے ساتھ کچھ ذاتی ناخوش گوار واقعات کی بدولت رابطہ اتنا جاندار نہیں رہا تھا، لیکن پھر بھی ہفتے میں ایک آدھ بار بات چیت ہو جاتی تھی۔ انھی دنوں اس نے مجھے اپنی شادی کی دعوت دی۔ باقاعدہ کارڈ پہ نام لکھا اور اس کی تصویر بنا کے بھیجی۔ اس نے کہا تھا" مومنہ تم ضرور شریک ہو گی"اور میں اس کے ایسا کہنے پہ کھل کر ہنسی تھی۔ سرحدوں کی باڑ نے ہمارے نصیب میں شرکت سے محرومی لکھ دی، لیکن شوق بہت تھا ملاقات کا، اس کو پاکستانی عروسی لباس پسند تھے اور میں بھی وعدہ کرتی کہ میری جانب سے پہلا ہدیہ یہی ہو گا، جب بھی ملاقات ہوئی۔ خیر ہماری دوستی اخلاص کی بنیادوں پہ استوار تھی اور بھرپور نبھائی جا رہی تھی۔

اکتوبر 2023

تطہیر اکثر اپنے حالات کا تذکرہ کرتی تھی۔ وہ مجھے بتایا کرتی تھی کہ قابضوں نے آج اس کے فلاں ہمسائے کو گرفتار کر لیا، فلاں کا گھر مسمار کر دیا۔ وہ سات اکتوبر دو ہزار تئیس کا دن تھا۔ سات اکتوبر کا دن کون بھول سکتا ہے بھلا؟ اس دن کو اور اس کے بعد آنے والی ہر لمحہ تباہی کو بھلا کون فراموش کر سکتا ہے؟

وہ داستان جو پہلے دنیا سے مخفی تھی یا شاید دنیا ہی اس کے بارے میں جاننا نہیں چاہتی تھی، اب عیاں ہو چکی تھی۔ ہماری اور اہلِ اسلام کی کج روی تو دیکھیے! ہم جو کبھی ان کے پُرسان حال نہ بنے تھے، اب اچانک ناصح بن گئے۔ ہم بتانے لگے کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔ جانے کس حق سے لعن طعن کر رہے تھے؟ سات اکتوبر کے بعد جب اس نے رابطہ کیا تو میں نے جارحیت (حماس) کے عمل کی مخالفت کی۔

" تطہیر! انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ اس سے قبل کیا ہو رہا تھا؟ کیا تم نے ذاتی دل چسپی کے لیے اور آگاہی کے لیے کبھی تفتیش کی کہ یہاں کے باسیوں کی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ سچ تو یہ بھی ہے کہ سات اکتوبر کے بعد کے حالات سے واقفیت بھی آپ سب مسلمانوں کو اہلِ فلسطین کے رونے کی وجہ سے نہیں بلکہ قابضین (اسرائیل) کے رونے دھونے اور چلانے کی وجہ سے ہوئی ہے۔" وہ نرمی سے بولی۔

اور میں شرمندگی کی گہرائیوں میں غرق ہو گئی، وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔

جنوری 2024

بہت دنوں سے میرا تطہیر کے ساتھ رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں مراسلات بھیجتی، لیکن اس کی طرف سے جواب ندارد! پھر ایک یخ بستہ شام میں ہمارا رابطہ بحال ہوا۔

" میں تمھیں وڈیو کال کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے اس سے کہا۔

" اماں بلا رہی ہیں مجھے۔" اس نے مجھے اس عذر سے منع کر دیا۔

مارچ 2024

آنے والے دنوں میں ان کے حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ مسلمان بھائیوں میں وہ مثل ہابیل تھے تو دوسروں نے قابیل کا وصف اپنا لیا تھا۔ ملکی تجزیہ کار کیا کہہ رہے ہیں؟ عالمی میڈیا کیوں چلا رہا ہے؟ اس سب سے پرے میں روز اس کے پیغام کا انتظار کرتی۔ ماہِ صیام شروع ہوا۔ ایک دن اچانک اس کا فون آ گیا۔ میں نے لپک کر اٹھایا، دوسری جانب وہ تھی۔

" رمضان مبارک ہو۔" وہی دھیمی آواز پُرسکون لہجہ۔

" تطہیر تم لوگ، غزہ و قدس کے اہل ہمیں معاف کر دو! ہماری بزدلی اور بے رخی نے تم لوگوں کو تنہا کر دیا۔ ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے بچوں کے قاتل ہیں۔" میں اس سے معافی مانگتی رہی۔

میری اس بات پہ اس کی سسکی نکل گئی۔

" مومنہ! میں نے اس جنگ میں اپنی بڑی بہن کو کھو دیا۔" وہ کہہ رہی تھی اور میرا دل پھٹنے لگا۔

" اب ہمارا رابطہ اس کے بعد شاید نہ ہو پائے، جب امن کے دن آئیں گے تو ہم اپنی تلاوت کی ترتیب پھر سے شروع کریں گے اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی اور پھر موبائل کی اسکرین تاریک ہو گئی۔

اپریل 2024

وہ لوگ ایک خیمہ میں غزہ پٹی کے اندر ہی تھے، باہر نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ قابضین رہائشی عمارتوں پہ ڈرون حملہ کرتے تھے، جب ان زخمیوں کو ہسپتال لے جایا جاتا، وہ وہاں بھی فضائی حملہ کرتے اور جب یہ زخمی شہید ہو جاتے تو ان کے جنازے کے دوران ان خیمہ بستی والوں پہ بھی حملہ کر دیتے۔ ہر جانب خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی، زندگی وہاں معذور ہو چکی تھی۔ بھوک، پیاس، گرمی کی آمد، ناکافی علاج، ہر طرف بارود و خون کی بُو، انسانی اعضا، کٹے پھٹے لاشے، بے گور و کفن انسانی وجود، ان میں بستے غزہ کے مظلوم اور بقیہ امتِ مسلمہ کے مردہ ضمیر تماشائی! یہ سب اسکرین پہ مجھ سے نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ انتیسویں روزے کو اس کا صوتی پیغام موصول ہوا، جس میں وہ تقبل اللہ منّا کی نشید گنگناتے ہوئے، مجھے ماہِ صیام کے روزوں کی قبولیت اور عید کی آمد کی مبارک باد دے رہی تھی۔ وہ مختصر پیغام سنتے میری ہچکی بندھ گئی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ اہلِ عجم کی طرح شکوہ کرے۔ وہ کہے کہ "خدا کو بس غزہ نظر آیا پوری دنیا میں۔۔۔"

مگر اس کے پیغامات مجھ پر سلامتی سے شروع ہو کے الحمدللہ پہ ختم ہو جاتے تھے۔ میں نے اس کو عید مبارک کے مراسلے کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان اور باقی لوگوں کا

احوال بھی پوچھا۔ مجھے علم تھا کہ اب جواب کافی عرصہ بعد ملے گا۔ عید جیسے اداسی کے رنگوں میں گھلی تھی، یہاں خونی رشتوں میں رہتے ہوئے بھی بے رُخی رہتی رہی، مگر اس ایک کلیے والے رشتے نے جانے کیسے جکڑ لیا تھا کہ مجھ پہ بے چینی ہی بے چینی حاوی تھی۔

اگست 2024

”آج ہم ویڈیو کال پہ بات کریں گے۔“ اس نے کہا تھا۔

پھر کچھ دیر انتظار کے بعد اسکرین پہ اس کا نام چمکنے لگا۔

میں نے کال اٹھائی تو جو منظر آنکھوں نے دیکھا۔ روح گویا زخمی ہوئی اور آنسو وہیں منجمد ہوگئے جو وجود سامنے تھا، میں اس کو نہیں جانتی تھی۔ وہ تو اس کے نام پہ بس اس کا سایہ تھا، اندر دھنسی ہوئی آنکھیں، جبڑوں کی کھنچی ہڈیاں، ایک ہاتھ کی تین انگلیاں غائب اور نچلا دھڑ ختم۔ اللہ اکبر کبیرا۔۔۔!

وہ مجھے پکار رہی تھی اور شاید وہ کچھ کہہ رہی تھی، مگر میں تو اسکرین کو گھور رہی تھی۔ اس کی آواز و مسکراہٹ وہی تھی، لیکن وہ تو تطہیر نہیں تھی۔ واللہ وہ تطہیر نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔!

میں نے غائب دماغی کے ساتھ ہاتھ آگے بڑھا کے اسے چھونا چاہا، مگر ہاتھ موبائل کی اسکرین کو ہی چھو سکا۔ اس نے بھی اپنا تین شہید انگلیوں والا ہاتھ آگے بڑھایا تھا، اس کو بھی لگا تھا کہ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے۔ میرا دل جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں میں مسل دیا ہو۔ میں نے اس کے وجود کو خوب صورتی کا پیکر پایا تھا۔ وہ اتنی ملائم تھی کہ تصویر میں بھی اس کی ملائمت واضح ہوتی تھی۔

اس کے خیمے میں اس کی پیٹھ کی جانب ملبے کے ڈھیر تھے اور معصوم بچے تھے جو اپنی شرارتیں کھو چکے تھے۔ کچھ فلسطینی جوان جو اپنے عیال کے لیے کھانے کا انتظام کرتے نظر آئے۔ اس کی مسکراتی آواز اب بھی آرہی تھی، میں بولنا چاہتی تھی، لیکن زبان گنگ تھی۔ وہ مجھے حوصلہ دے رہی تھی کہ یہ آزمائش ہمیشہ کی تو نہیں، بہت جلد ختم ہو جائے گی اور دیکھنا بہار میں ہم پھر سے مسکراتے ہوں گے۔

”مومنہ! تم اسے دیکھو یہ اسیل ہے۔“ کیمرہ میں ایک خوب صورت گل گوتھنی سی ننھی بچی کا عکس ابھرا۔ اس کا خاندان جب شہید ہوا اور اسیل ملبے کے تلے سے معجزاتاً سلامت نکلی تو میں نے اس کو گود لے لیا اور یہ بہت چھوٹی تھی، اب یہ مجھے ہی اپنی اماں سمجھتی ہے۔“ وہ آنکھوں کی نمی کو پوروں پہ چن کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔

مجھے اس کی آنکھوں میں محبت کے جگنو چمکتے نظر آئے۔

”تطہیر! تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”معلوم نہیں! لیکن مجھے لگتا ہے وہ سب جہاں ہوں گے، عافیت سے ہوں گے۔“ وہ مطمئن تھی۔

ہاں! القدس کے باسیوں کو خدا کے وعدوں پہ یقین تھا۔ اچانک فضا میں دھماکہ ہوا۔ دل کو بند کر دینے والی آواز تھی۔ جب میرا اسکتہ ٹوٹا میں نے اس کو پکارنا شروع کیا، مگر موبائل کی مسلسل خاموشی سے میرے دل میں سناٹے پھیل گئے۔ بے یقینی میری آنکھوں میں چھبنے لگی تھی اور میری ٹانگیں میرے بدن کا بار اٹھانے سے انکاری ہوئیں، میں وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔

جنوری 2025

جنوری لوٹ آئی ہے۔ یخ بستگی ختم ہو چکی ہے۔ اس ماہ میں سورج کی نرم دھوپ پھیلی ہے اور خوش آئند بات یہ ہے کہ غزہ میں جنگ بندی ہو چکی۔ ان کی بہار کے دنوں کی آمد آمد ہے، مگر جانے وہ تطہیر کہاں ہے؟ جو میرے دل کے ایک گوشے پہ ابھی تک قابض ہے۔

یکم جون 2025

جنگ بندی کا ایک بار پھر مذاق بنا کر اہلِ غزہ پہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ لٹتی پٹتی مائیں اور ان کی اُجڑتی گودیں آج بھی نوحہ کناں ہیں۔ میں ہر خبر پہ نظر ڈالتی ہوں، ہر شہیدہ کا نام دیکھتی ہوں کہ شاید میری سہیلی تطہیر کا نام اس دھماکے کے بعد، شہیدوں میں نام لکھوا چکی ہو، ہر پیغام کو اس اُمید سے کھولتی ہوں کہ کیا پتا تطہیر کا پیغام موصول ہوا ہو، مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے انتظار کی رسی، اُمید و آس کی زنجیر دھیرے دھیرے ٹوٹتی جا رہی ہے۔ نجانے کہاں ہوگی تطہیر؟؟؟ نجانے اب کیسی ہوگی؟؟

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ يَا أَهْلَ غَزَّةَ

(قدسیو! تمہارے صبر کی وجہ سے تم پہ دائم سلامتی رہے)

بقیہ

# حلیم کا غبار

ان کی تاکید کی گئی ہے اور ایک بار پیارے نبی ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ ”خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو۔“ لیکن لوگ آج کل اس بات کو بالکل نہیں سمجھتے ہر کوئی اپنی ذات میں مست ہے، بس سب یہی سوچتے ہیں کہ ہماری خوشی کس چیز میں ہے؟ یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کی بے نام سی خوشی کسی دوسرے کو کتنے ضرر میں مبتلا کر رہی ہے۔“ وہ بھی انتہائی دکھی لہجے میں بولے۔

”ہاں، میں وہی تو کہہ رہی ہوں انس کے ابا! کہ انفرادی طور پر کئی دفعہ آپ نے ڈھکے چھپے لفظوں میں ان سے بات کر کے دیکھ لی، اجتماعی طور پر محلے والوں نے بھی انھیں سمجھانے کی کوشش کر لی۔۔۔ مگر ان کے کان پر تو جوں نہیں رینگتی تو پھر کیا ہم تھانے میں رپورٹ بھی درج نہیں کروا سکتے ان کے خلاف!!!

ابھی زیتون بیگم یہ بات کر ہی رہی تھیں کہ میاں جی کو دھویں کی وجہ سے کھانسی اٹھی اور سانس میں تکلیف ہونے لگی۔ وہ دمے کے مریض تھے اور دھواں ان کے لیے سخت نقصان دہ۔ بیگم نے جلدی سے دوا لا کر دی۔ کچھ طبیعت بحال ہوئی تو بولے۔۔۔

”ہاں، تم کہتی تو ٹھیک ہو بیگم! اب یہی کرنا پڑے گا۔ چلو پھر بات کرتا ہوں، برابر والے شبیر بھائی سے کہ وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔ ایک آخری دفعہ اور بات کر کے دیکھتے ہیں، مان گئے تو ٹھیک ورنہ پھر تھانے میں ہی جانا پڑے گا۔“

”ہاں، مگر اب تو جو بات ہوگی وہ صبح ہی ہوگی نا۔۔۔ اس وقت اس گرمی اور شور کا کیا علاج کریں انس کے ابا؟“

زیتون بیگم دُکھی سی ہو کر دوپٹا آنکھوں پر رکھ کر لیٹ گئیں اور میاں جی پھر اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔ آخر کسی نہ کسی طرح رات تو گزارنی ہی تھی۔

# اسکرین سے رشتہ

مریم رضوان

"امی! اس دفعہ میری پورے اسکول میں فرسٹ پوزیشن آئی ہے اور مجھے انعام بھی ملا ہے۔"
ماں نے جو موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے کسی سین میں گم تھیں، جواب دیتے ہوئے کہا:
"اچھی بات ہے، یونیفارم تبدیل کرلو۔" چھ سالہ حبیبہ بھاگ کر اپنی ماں کے پاس آکر یہ خوش خبری سناتی ہے۔ خوشی سے چہرہ تمتماریا ہوتا ہے، لیکن جب اپنی ماں کا اتنا سا جواب سنتی ہے تو اس کا چہرہ مرجھا جاتا ہے، جیسے کوئی کھلا ہوا گلاب اچانک پژمردہ ہو جائے۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ یہ ایک گھر کی کہانی نہیں، گھر گھر کی کہانی ہے۔

کہیں اولاد کی طرف سے لاپروائی ہے اور کہیں والدین کی طرف سے بے توجہی تو کہیں میاں بیوی کی غفلت ہے۔

ایک وہ وقت تھا، جب گھروں میں بیٹھکیں آباد ہوتی تھیں۔ باتیں زبانی ہوتیں اور دل سے دل جُڑتے تھے، لیکن آج۔۔۔ ! ایک ہی چھت تلے رہنے والے افراد، ایک دوسرے کی آواز سے زیادہ اپنے فون کی ٹن پر چونک اٹھتے ہیں۔

ماں، باپ، اولاد، بہن، بھائی، شریک حیات۔۔۔ سب موجود ہوتے ہیں،
بس "رابطہ" موجود نہیں ہوتا۔
جہاں پہلے ماں کی آواز آتی، ہم سب کچھ چھوڑ کر سننے بیٹھ جاتے تھے۔
اب ماں آواز دیتی ہے اور ہم "بس ایک منٹ" کا کہہ کر گھنٹوں موبائل میں کھوئے رہتے ہیں۔

ہم نے رشتوں کو نظرانداز کر کے اسکرین سے رشتہ جوڑ لیا ہے اور یہ نیا رشتہ ہمیں خالی، تھکا ہوا اور ٹوٹا ہوا چھوڑ جاتا ہے۔ ہم نے رشتوں کے پاس رہنے کے باوجود ان سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا، اس لیے کہ ہم اسکرین سے باتیں کرتے ہیں، رشتوں سے نہیں۔ موبائل فون، اسمارٹ ٹیکنالوجی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہمارے سامنے ہیں۔

اس کا مثبت پہلو تو یہ ہے ہر طرح کی تعلیم حاصل کرنا آسان، دور دراز سے رابطہ ممکن! حالات سے واقفیت، خبریں، معلوماتی مواد، گھر بیٹھے بہت سارے کام اس کی وجہ سے کم وقت میں سہولت کے ساتھ انجام پا جاتے ہیں۔

لیکن ہم نے اس کے منفی استعمال سے اس نعمت کو آزمائش میں بدل دیا ہے۔

جب نعمت آزمائش بن جائے۔۔۔ تو سمجھنا چاہیے کہ ہماری ترجیحات بگڑ چکی ہیں۔

آج گھر کے ہر فرد کے ہاتھ میں اسمارٹ فون ہے، مگر دلوں میں خالی پن، بے چینی اور بے رخی۔

والدین بچوں سے گفتگو کی بجائے اسکرین میں کھوئے ہوئے ہیں، بچے اپنی بات کسی وڈیو یا گیم میں دفن کر چکے ہیں۔

سوشل میڈیا، یوٹیوب، وٹس ایپ، انسٹا گرام۔۔۔ سب زندگی کا مستقل حصہ بن چکے ہیں۔

کھانا بنانا ہو یا کھانا، گھر سے نکلنا ہو یا داخل ہونا بلکہ مساجد اور دفاتر میں عبادات اور کام کے دوران بھی ساری توجہ موبائل پر رہتی ہے۔ ہم اپنے جذبات، ہنسی، غصہ، حتیٰ کہ دعائیں بھی اسکرین پر صرف کر رہے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ بچے والدین سے بات کرنے کی بجائے کارٹون دیکھنا پسند کرتے ہیں، اجنبیوں سے جذباتی جُڑاؤ اور اپنے دور ہو جاتے ہیں، شریک حیات ایک دوسرے کے چہرے کی بجائے ریل پر مسکرا رہے ہیں، دلوں میں دوری، غلط فہمیاں، چڑچڑا پن، بیزاری تنہائی، ڈپریشن، نفرت، بغض۔۔۔ اور کئی رشتے اسی اسکرین کی نظر ہو رہے ہیں۔

اسلام ہمیں محبت، التفات اور مل جل کر رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن ہمیں صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (النساء: 1)

"اللہ سے ڈرو، جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں کے بارے میں بھی (ڈرو)۔ بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔" رشتے اللہ کی امانت ہیں، ان کا لحاظ رکھنا تقویٰ میں شامل ہے۔

اگر ہم ان سے بے رُخی برتیں، ان کی قدر نہ کریں تو اللہ کی ناراضی کا باعث بن سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو چاہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور رزق میں برکت ہو تو وہ صلہ رحمی کرے" (صحیح بخاری)

جبکہ آج ہم نے ان ہی رشتوں کو اپنی مصروفیات کی راہ میں رکاوٹ سمجھ لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رشتہ قطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (مسلم)

- خاندانی دوریاں، نفسیاتی اثرات
- بچوں میں اعتماد کی کمی
- جذباتی الجھن
- سیکھنے کی صلاحیت میں کمی
- میاں بیوی کے درمیان بیزاری
- والدین کی باتوں کو بوجھ سمجھنا جبکہ قرآن کا حکم ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (الاسراء: 23)

"اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔"

طبّی اور سائنسی تحقیق کی روشنی میں پتا چلتا ہے:

- موبائل کی شعاعیں جلد پر اثرانداز ہوتی ہیں۔
- جلد پر بڑھاپے کے آثار، جھریاں، پگمنٹیشن ہوتی ہے۔
- کولاجن اور ایلاسٹن کی پیداوار متاثر ہوتی ہے۔
- اسکرین ٹائم سے ڈپریشن، بے چینی اور نیند کی کمی کا باعث ہے۔

اب حل کیا ہے؟

1۔ گھر میں بات چیت کے لیے وقت نکالا جائے، اگرچہ اس میں کیسی ہی تکلیف و تکلّف ہو۔ روزانہ چند گھنٹے موبائل سے دور رہنے کا اہتمام کیا جائے، صرف رشتوں کے لیے۔

2۔ کھانے کے اوقات "موبائل فری" ہوں، آپس میں ہلکی پھلکی باتیں ہوں، نوٹیفکیشن نہیں۔

3۔ بچوں کے ساتھ مکالمہ کریں صرف نگرانی نہیں، دل سے گفتگو۔

4۔ حقیقی وقت گزاریں۔ والدین، شریک حیات، بچوں سب کے ساتھ توجّہ سے وقت گزاریں۔

5۔ دینی تربیت اور اخلاقی نشستوں کا اہتمام کیا جائے۔

6۔ ہر شخص خود پہل کرے، رابطہ بحال کرے، سب مل کر محبتیں جگائیں، آن لائن سے نکل کر اصل زندگی میں واپس آئیں۔

ہماری زندگی کے سب سے قیمتی لمحات وہ ہیں، جو ہم رشتوں کے ساتھ دل سے دل جوڑ کر گزارتے ہیں، نہ کہ کسی اسکرین کی چمک میں۔ رشتے رابطوں سے نہیں، توجہ سے بنتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہوئے بھی کتنے دُور ہو چکے ہیں، کیا وقت نہیں آگیا؟ کہ ہم اسکرین بند کریں اور اُن چہروں سے بات کریں، جو ہمارے اپنے ہیں ہماری دنیا ہیں۔۔۔

# عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

# سستی روٹی پراجیکٹ

## لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

**5 روپیہ** صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

# اللہ کا دوست

ڈاکٹر الماس روحی

ہزاروں سال پرانی بات ہے۔ ملک عراق کے ایک گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ وہ بچہ بہت خوبصورت نرم دل، خوش مزاج اور ذہین تھا۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہی حکمت آمیز باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کا اللہ پر اٹل ایمان تھا۔ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے کہتا، ”جس نے چاند ستارے بنائے اور پانی کے چشمے بنائے ہیں۔ وہ ہی میرا رب ہے اور اسی نے مجھے پسند فرمایا ہے، تاکہ میں ایسی باتیں کروں“ وہ جب جنگل جاتا، بچے اس کے ہم راہ ہوتے تو وہ اُن سے کہتا: ”اللہ نے زیتون، کھجور اور انگور زمین پر لگائے، اس طرح وہ ہر قسم کے درخت لگاتا ہے اور اس میں طرح طرح کے میٹھے، رسیلے اور مزے دار پھل اگاتا ہے، جنھیں ہم شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ رنگ برنگے پھول، یہ بھینی بھینی سے خوشبودار ہوا، یہ سب کچھ ہمارے رب نے ہمیں عطا کیا ہے“ وہ جب اپنے ساتھیوں کے ہم راہ پہاڑ پر چڑھتا تو اونچے اونچے فلک بوس پہاڑوں کو دیکھتا اور کہتا: ”اللہ نے زمین پر پہاڑوں کو اس طرح کھڑا کیا ہے جیسے زمین پر میخیں گاڑ دی ہیں، تاکہ زمین پر جو دنیا آباد ہے اسے لے کر وہ لڑھک نہ جائے“ کھیتوں اور باغات پر نظر ڈالتا تو کہتا: ”اللہ نے خوبصورت، مہکتے پھولوں اور ذائقے پھلوں کے ساتھ ہری بھری سبزیاں بھی اگائیں اور زمین کو خوش نما بنایا اور اسے سجا دیا، تاکہ زمین پر رہنے والے اللہ کی تخلیق کو دیکھ کر خوش ہوں اور اللہ پاک کا شکر ادا کریں۔“ اپنے دوستوں کے ہم راہ جب وہ بچہ دریا سمندر اور جھیل کے ساحل پر جاتا تو کہتا: ”یہ نیلے گہرے سمندر کی چھوٹی بڑی رنگ برنگی مچھلیاں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، جنھیں ہم شوق سے کھاتے ہیں۔ اسی سمندر کی تہ میں وہ قیمتی پتھر اور موتی بھی ہوتے ہیں جن سے عورتوں کے لیے زیور بنتے ہیں۔ اس طرح مجھے اللہ ہر طرف اور ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ہم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہیں تو گن نہیں سکتے اور جھٹلانا چاہیں تو جھٹلا نہیں سکتے۔ لہٰذا انسان کو ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بچپن ایسی ہی غور و فکر کی باتوں میں گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اللہ پر پختہ یقین تھا۔ اللہ پاک ان سے خوش ہوئے تو انھیں اپنا خلیل بنالیا اور آپ کا لقب خلیل اللہ مشہور ہو گیا۔ یعنی اللہ کا دوست، وہ لوگوں کو اچھی زندگی گزارنے کا طریقہ بتانا چاہتے تھے اور ان کا اللہ کے آگے سر جھکانا چاہتے تھے۔ اپنی قوم کے آگے ہمیشہ رویہ نیک رکھا، مگر وہ پھر بھی، سورج، چاند، ستاروں کے ساتھ مٹی اور پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے اور انھیں اللہ کا شریک بناتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام لڑکپن سے سوچتے آخر یہ لوگ اپنے ہی ہاتھوں سے بت بناتے ہوئے بے جان مورتیوں کو کیوں مانتے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا اچانک انتقال ہوا تو ان کی والدہ کا نکاح ان کے چچا آزر سے کیا گیا۔ یہ مورتیوں کی پوجا بھی کرتے تھے اور ان کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ پتھر اینٹوں سے مورتیوں کو بناتے اور انھیں فروخت بھی کرتے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام ان مورتیوں کو کھینچتے ہوئے لیے جا رہے تھے، لوگ انھیں دیکھ کر حیران تھے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہے؟ آزر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بازار کی طرف دوڑ لگائی اس نے دیکھا۔ بہت سے بت ٹوٹ چکے اور کیچڑ لگ گئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر آپ کے چچا ناراض ہونے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام بولے: ”تم ان کو بناتے ہو، پوجتے ہو، جبکہ یہ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی بول سکتے ہیں، نہ آپ کو ان سے فائدہ پہنچتا اور نہ نقصان۔۔۔“ بیٹے کی بات سُن کر وہ اور غصے میں آگئے اور خاموش ہو کر گھر چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے شہر میں ایک سالانہ میلہ لگا تھا۔ اس میلے کی تیاری بڑے جوش و خروش سے کی جاتی سب بچے، بوڑھے، نوجوان، مرد، عورت نہاتے دھوتے اور نئے نئے کپڑے پہنتے اور خوب تیار ہوتے۔ عورتیں خوب سجتی سنورتیں۔ یہ ان کی عید تھی مزے مزے کے کھانے پکائے جاتے تھے۔ ان کھانوں کو تبرکات کے طور اپنے پوجا گھر بتوں کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ تمام لوگ خوشی خوشی اس میلے کی شرکت کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد آزر نے کہا کہ

”کل ہماری عید ہے۔ جنگل میں میلہ لگے گا۔ ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھیں گے اور میلے سے واپسی پر آکر تبرکات کھائیں گے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور ہمارے میلے کی رونق دیکھو، پھر واپس آکر ان بتوں کی سجاوٹ دیکھنا۔ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ وہاں ہماری پوجا پاٹ طریقہ اور لوگوں کا اپنے بتوں سے منتیں اور مرادیں مانگنے کا انداز، پھر تم اُن میں سے کسی کو ان کی پرستش سے نہ روکو گے۔“ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ کے نبی تھے، انھوں نے اپنا آپ اس میلے میں جانے سے یہ کہہ کر بچا لیا کہ میں بیمار ہوں، میں پیدل نہیں چل سکتا اور نہ سواری پر بیٹھا جا سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام راستے میں ہی بیٹھ گے۔ ہر آنے والا پوچھتا تو آپ فرماتے: ”میں بیمار ہوں۔“ حضرت ابراہیم علیہ السّلام موقع کی تاک میں تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ میں تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام گاؤں میں اکیلے رہ گئے اور ساری قوم میلے میں چلی گئی۔ آپ نے کلہاڑی لی اور سب سے بڑے بت خانے میں گئے اور ایک کلہاڑا لے کر بتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ یہاں نذرانے کھانے پینے کی چیزیں ان بتوں کے ساتھ رکھی تھیں، آپ توڑتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ یہ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی چیزیں ہیں۔ تم کیوں نہیں کھاتے۔ بولو! کھاتے کیوں نہیں، ہوا کیا ہے؟ بولو! آپ دائیں ہاتھ سے کلہاڑا مارتے۔ پتھر کے بت پاش پاش ہو رہے تھے۔ سارے بت چند لمحوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ سارے بت خانے میں مورتیاں ریزہ ریزہ ہو چکی تھیں، سوائے اس بت کے جس کے کاندھے پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کلہاڑا رکھ دیا۔ یہ بہت بت خانے کے دروازے کے قریب رکھا گیا تھا اس کے ارد گرد چھوٹے بت تھے اور پھر ان کے آگے ان سے چھوٹے تھے۔ اس طرح یہ بت خانہ بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ شہر والے طرح طرح کے کھانے اپنے اپنے اعتقاد کے موافق ان کے پاس رکھ کر گئے تھے کہ یہاں رکھنے سے یہ کھانے تبرک ہو جائیں گے اور واپسی پر تبرک کھا لیے جائیں گے۔ ان بتوں کو چند لمحوں میں کلہاڑا مار مار کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام چورہ چورہ کر چکے تھے۔ شام کے وقت جب لوگ شہر واپس آئے اور اپنے اپنے نذرانے لینے بت خانے گئے تو عجیب و غریب منظر دیکھ حیران رہ گئے۔ آخر یہ سب کون کر سکتا ہے؟ ان میں سے کچھ بزرگ سمجھ گئے بولے، یہ کام یقیناً آزر کے بیٹے کا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو انھوں نے کہتے سنا تھا۔ میں گمراہی مٹا دوں گا۔ تمہارے بتوں کے خلاف چال چلوں گا۔ سرداروں نے کہا: اس لڑکے کو ہمارے سامنے لاؤ جب آپ آئے تو

# نیکی

آمنہ عبدالباسط

"صبیحہ! تم کتنی اچھی بچی ہو، ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتی ہو۔ دیکھنا تم بہت قابل ہو گی۔" بریرہ نے قلم ادھار دینے پر اپنی دوست صبیحہ سے کہا۔

"ارے مدد کرنے سے کیسے قابل بن سکتے ہیں؟ مجھے تو بھائی جان نے بتایا تھا، اس کے لیے بہت سارا پڑھنا پڑتا ہے۔ اتنی موٹی موٹی کتابیں یاد کرنا پڑتی ہیں۔ ہاں۔۔۔!" صبیحہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پورے کھول کر اپنی دوست سے کہا۔

"جی نہیں! میری امی کہتی ہیں مدد کرنے والا انسان ہمیشہ قابل ہوتا ہے۔" بریرہ نے بھی اپنا موقف فوراً پیش کر دیا۔

"ٹن۔۔ٹن۔۔" ریاضی کا پیریڈ شروع ہوا تو دونوں دوستیں خاموش ہو گئیں، کیوں کہ ان کی پسندیدہ ٹیچر کلاس میں آ چکی تھیں۔

صبیحہ اور بریرہ پانچویں کلاس کی انتہائی ذہین اور قابل طالبات تھیں، پھر دونوں ایک ہی گلی میں رہتی تھیں، اس لیے ان میں دوستی بھی خوب تھی۔ بس صبیحہ ذرا سیریس اور خاموش طبع تھی، جبکہ بریرہ باتونی اور خوش رہنے والی بچی تھی جو ہر ایک کے ساتھ گھل مل جاتی تھی۔

اسکول سے واپسی پر صبیحہ نے دیکھا کہ راستے میں پانی گرنے سے کیچڑ بنا ہوا ہے اور بوڑھی آنٹی پھسلنے کے ڈر سے گزر نہیں پا رہیں۔ اس نے جلدی سے آنٹی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں نے مل کر کیچڑ کو پار کر لیا۔

"بہت شکریہ بیٹا! اللہ تمہیں اس نیکی کا صلہ دیں، تم بہت اچھی بچی ہو!"

"لو بھلا! اتنا چھوٹا سا کام بھی نیکی ہے؟؟ جس کا مجھے صلہ ملے گا؟" اس نے آنٹی کی بات پہ دل ہی دل میں سوچا اور گھر کی طرف چل پڑی۔

"صبیحہ بیٹا! اپنا کمرہ صاف کریں۔"

جیسے ہی وہ اسکول کے کام سے فارغ ہوئی تو امی جان نے اسے آواز لگا دی، جس پر وہ فوراً اپنے کمرے کی ترتیب درست کرنے لگی۔ اس نے اپنی کتابیں سمیٹیں۔ پینسل کے چھلکے جو پینسل تراشتے ہوئے کچھ فرش پہ گر گئے تھے، اٹھائے۔ کاپیاں بیگ میں ڈالیں۔ ٹیبل لیمپ آف کیا۔ کرسی میز کے نیچے لگائی۔ تولیہ جگہ پہ پھیلایا اور اپنے بیڈ کی چادر ٹھیک کر کے جیسے ہی باہر آئی امی جان رات کا کھانا دستر خوان پہ لگا رہی تھیں۔ وہ فوراً امی جان کے ساتھ چیزیں دستر خوان پہ لگانے لگی۔

"ارے واہ! ہماری بیٹی تو بہت اچھی ہیں، اپنی امی جان کی بھی مدد کرتی ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کو ان نیکیوں کا بہت سا اجر دیں گے، ان شاء اللہ!"

پیچھے سے ابو جان کی آواز آئی تو وہ دوڑ کے ان سے چپک گئی۔

"ابو جان! یہ تو میرے ذمے کے کام ہیں، ان سے مجھے نیکی کا اجر کیسے ملے گا؟" ابو جان کھانے کے لیے ہاتھ دھو کر آئے تو اس نے جلدی سے سوال کر دیا۔

میری پیاری بیٹی مفہوم حدیث ہے کہ نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی نہ جانو، خواہ اپنے (مسلمان) بھائی سے ہنستے مسکراتے ملنا ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

اب آپ جتنے بھی "کام" کرتی ہیں، چاہے وہ کسی کی مدد کرنا ہو یا اپنی ذمہ داری کو مکمل کرنا، وہ نیکی شمار کیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ راستے سے تکلیف دہ پتھر بھی ہٹا دیں گی یا اپنے اسکول میں کسی کے ساتھ لنچ بھی شیئر کر لیں گی تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑی نیکی کا درجہ دیں گے اور بدلے میں آپ کو بہت سارے انعام ملیں گے۔

"ہیں؟ سچی میں!! پھر تو جو زیادہ نیکیاں کرے گا وہ زیادہ قابل ہو گا؟" اور قابل جنت میں بھی جائے گا؟

حیرت اور جوش سے صبیحہ کے نئے سوال شروع ہو چکے تھے۔

"جی ہاں! نیکیاں کرنے سے ہی قابل بنتے ہیں اور کھانے کو دیر نہ کرانا بھی نیکی ہے۔"

امی جان نے جواب دیا تو سب کھلکھلا کے ہنس پڑے اور صبیحہ دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اب وہ ہمیشہ نیکی کرنے کی کوشش کرے گی، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے بھی "جنتی قابل" بنا دیں!

سرداروں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے پوچھا ہمارے بت کس نے توڑے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بڑے بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حرکت اس بڑے بت کی ہے، جس کے کاندھے پر آپ نے کلہاڑا رکھا تھا۔ یہ تمہارا خدا ہے۔ یہ تمہیں بتائے گا اور اگر یہ بت نہیں بتائے گا تو ان خداؤں سے پوچھو کہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا کون ہے؟ ان سے جواب نہ بن پڑا اور وہ شرمندگی سے سر جھکا کر بولے: تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا، پھر تم ان کی کیوں پوجا کرتے ہو؟ یہ نہ تمہیں فائدہ دیتے ہیں اور نہ نقصان کرتے۔ کیا تم کوئی عقل نہیں رکھتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بات پر وہ غصہ کرنے لگے۔ تم نے ہمارے بتوں کی بے عزتی کی۔ اس لیے ہم اس کا بدلہ لے کر رہیں گے اور آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے، پھر ایک نئی سازش کرنے لگے۔

| مشکل الفاظ | معنی |
| --- | --- |
| اٹل | پختہ |
| کیچڑ | گیلی مٹی |
| فلک بوس | آسمان کو چھوت |
| موافق | مطابق |

| مشکل الفاظ | معنی |
| --- | --- |
| خلیل | دوست |
| ہم راہ | ساتھ ہونا |
| نفیس | اصلی صاف ستھرا |
| میخیں | کیلیں |

# وفادار کبوتر

غلام فرید کمبوہ

تقی اور نومی دونوں بھائیوں نے اپنے بڑے سے گھر کے ایک کونے میں مرغیاں اور خرگوش پال رکھے تھے۔

اتوار کے دن اسکول سے چھٹی کی وجہ سے دونوں بھائی گھر پر تھے۔ امی نے دونوں بچوں تقی اور نومی سے کہا: "اپنی اپنی ٹوکریاں لے جاؤ، خرگوش اور مرغیوں کے لیے کھیت میں سے چارہ لے کر آؤ اور ہاں! باغ میں سے توت کے پتے بھی لیتے آنا، توت کے پتوں کو خرگوش بہت پسند کرتے ہیں۔"

"چلو نومی چلتے ہیں۔" تقی نے کہا۔

دونوں بھائی ایک ایک ٹوکری لے کر باغ کے دروازے سے باہر کھیت سے چارہ لینے کے لیے چل پڑے۔ یہ موسم بہار کا ایک خوب صورت دن تھا اور آسمان بہت نیلا تھا۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ اور ہر طرف بہت سے پھول جو اپنے سبز پتوں کے بیچ میں خوب سجے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک ٹوکری چارے سے بھرلی اور پھر واپس باغ میں آکر خرگوشوں کے لیے توت کے درخت سے پتے توڑنے لگے۔

تقی نے تازہ توت کے پتے چنتے ہوئے کہا: "نومی! آج تو خرگوشوں کی اچھی دعوت ہوگی۔" انھوں نے اپنی ٹوکریاں بھریں اور دوبارہ گھر کی طرف چل پڑے۔ پھر تقی نے راستے میں ایک پرندے کی طرف اشارہ کیا۔

"نومی، وہ دیکھو! ایک خوب صورت سفید رنگ کا کبوتر۔۔۔" اس نے کہا اور دیکھو! اس کی گردن پر سُرخ رنگ کا حلقہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔" کبوتر نے اپنے خوب صورت سے پر پھیلائے اور پھر دانہ چگنے کے لیے سڑک پر بیٹھ گیا۔

اچانک ایک کار کا وہاں سے گزر ہوا۔ "اُڑ جا کبوتر، اُڑ جا!" نومی نے آواز لگائی، لیکن کبوتر راستے سے نہیں ہٹا۔ کار بالکل اس کے اوپر سے گزر گئی۔

تقی نے چیخ ماری، لیکن کار کبوتر کے اوپر سے گزر گئی۔ یہ دیکھ کر دونوں بھائی بہت خوش ہوئے کہ کبوتر صحیح سلامت سڑک پر کھڑا تھا، لیکن وہ بہت خوف زدہ لگ رہا تھا۔ کبوتر کی خوش قسمتی تھی کہ وہ گاڑی کے ٹائروں کی زد میں نہیں آیا تھا، ورنہ اس کا کچومر نکل چکا ہوتا۔

گاڑی وہاں سے کب کی گزر چکی تھی، پھر دونوں بھائی سفید رنگ کے کبوتر کے پاس پہنچے۔ وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے بھاگنے یا اُڑنے کی کوشش بالکل بھی نہیں کی۔

"میرے خیال میں اس کے پاؤں پر ہلکی سی چوٹ لگی ہے؟ دیکھو، یہ ایک پاؤں پھیلا رہا ہے، لیکن یہ دوسرے کو نہیں کھول رہا۔ اب ہم اس کے ساتھ کیا کریں؟" نومی نے کہا۔

"یہ بیچارہ تو بہت معصوم سا ہے، اب ہم اسے یہاں لاوارث تو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو کتا یا بلی اسے نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اسے گھر لے جائیں گے اور ابو یا امی سے پوچھیں گے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔" تقی نے کہا۔

"ہم اسے کیسے اٹھائیں گے؟ میں اسے تکلیف نہیں دینا چاہتا۔" نومی نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کو کیسے گھر لے کر جانا ہے، میں اسے احتیاط سے اپنی ٹوکری میں، توت کے پتوں کے اوپر رکھوں گا، یہ اس کے لیے ایک خوب صورت نرم بستر ہوگا۔" تقی نے کہا۔

اور پھر انھوں نے ایسا ہی کیا۔ زخمی سفید رنگ کے کبوتر کو اُٹھا کر پتوں کی ٹوکری میں رکھ دیا۔ "ہاں بھئی! کبوتر اب تم ٹھیک ہو؟" نومی نے کہا۔ کبوتر نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

"گٹر گوں گٹر گوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آرام دہ محسوس کر رہا ہے۔" تقی نے خوش ہو کر کہا۔

تقی بھائی! یہ آپ کی ٹوکری میں بیٹھا بہت خوب صورت لگ رہا ہے، کاش! ایک اور کبوتر ہوتا تو میں بھی اپنی چارے والی ٹوکری میں رکھتا۔" نومی نے اُداسی بھرے لہجے میں کہا۔

اور ایسے باتیں کرتے کرتے وہ کبوتر کو احتیاط سے لے کر اپنے گھر آگئے۔ یہ توت کے پتوں پر بہت ساکن پڑا تھا۔ دونوں بچے اپنے امی ابو کو ڈھونڈنے لگے، لیکن وہ وہاں نہیں تھے۔

"نومی! بہتر ہے کہ ہم اسے اوپر ڈرائنگ روم میں لے جائیں، جب تک کہ امی یا ابو واپس نہ آجائیں۔" تقی نے کہا، چنانچہ وہ کبوتر کو اوپر لے گئے۔ کبوتر نے کمرے میں آکر ٹوکری سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔

"پیارے کبوتر! جدوجہد نہ کرو، ہم تمہاری بھلائی کے لیے ہی آپ کو وہاں سے اُٹھا کر لائے ہیں۔ میں تمہیں بہت آرام سے اٹھاؤں گا۔ کیا تم نرم قالین پر لیٹنا پسند کروگے؟" تقی نے کہا۔

کبوتر کو نرم قالین بہت پسند آیا اور خوشی سے قالین پر بیٹھ گیا۔

"اگر ہم دروازہ اور کھڑکی بند کردیں تو یہ محفوظ رہے گا اور بہتر ہے کہ ہم نیچے جا کر مرغیوں کو چارہ اور توت کے پتے خشک ہونے سے پہلے خرگوشوں کو ڈال دیں۔" تقی نے کہا۔

وہ کھڑکی اور دروازہ بند کر کے نیچے چلے گئے۔ نیچے مرغیاں، خرگوش، چارے اور توت کے پتے دیکھ کر بہت خوش لگ رہے تھے۔

اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی، لگتا ہے امی آگئی ہیں۔" نومی نے کہا۔

"امی امی! ہم نے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" نومی امی کو دیکھتے ہی بولا۔

وہ سفید رنگ کے زخمی کبوتر کو دیکھانے کے لیے امی کو اوپر لے گئے، جو قالین پر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔

"اوہ، اچھا! یہ تو ایک کبوتر ہے۔" امی نے حیرت سے کہا۔

"میں آج دوپہر کے وقت ہمسائیوں کے گھر گئی تھی تو انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کا سب سے خوب صورت کبوتر کہیں کھو گیا ہے۔ یقیناً یہ اُنہی کا ہی ہوگا۔"

"اوہ اچھا! میں تو اُمید کر رہا تھا کہ شاید ہم اسے اپنے پاس ہی رکھ سکیں گے۔" نومی نے کہا۔

"امی! مجھے بھی بالکل ایسا ہی ایک کبوتر پسند ہے۔ کیا اسے ہم اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔۔۔؟"

کبوتر نے اچانک اپنے دونوں پر پھیلائے اور تقی کے کندھے پر اُڑ کر بیٹھ گیا اور پیار سے گٹر گوں گٹر گوں کرنے لگا۔ تقی اتنا خوش تھا کہ آگے سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

لیکن نومی نے ایک زوردار چیخ ماری اور پلنگ کی طرف اشارہ کیا اور بولا: "دیکھو وہ دیکھو! اس نے ہمارے لیے قالین پر دو انڈے دیے ہیں۔"

اور اپنی امی سے کہنے لگا: "امی کیا ہم انڈے بھی نہیں رکھ سکتے کہ ان سے ہم بچہ حاصل کر سکیں؟"

"نہیں نومی بیٹا! ہم ایسا نہیں کر سکتے، یہ بہت غلط بات ہے۔ کبوتر کے مالک کی اجازت کے بغیر ہم یہ انڈے اور کبوتر نہیں رکھ سکتے۔" ماں نے کہا۔

اور پھر انھوں نے وہ کبوتر اور دونوں انڈے اپنے ہمسائیوں کو واپس کر دیے۔ اُن کے ہمسائیوں نے دونوں بچوں کا بہت شکریہ ادا کیا اور اُن کی ایمان داری سے بہت خوش ہوئے اور اُنھیں کبوتر کو جب مرضی اپنے گھر لے کر جانے کی اجازت بھی دے دی۔

کچھ دنوں کے بعد کبوتر بالکل ٹھیک ہوگیا اور اب اُس کے بچے بھی تھے اور وہ کبوتر ان دونوں بھائیوں کا احسان نہیں بھولا۔ وہ اپنے بچوں سمیت آکر دونوں بھائیوں کے کاندھے پر بیٹھ کر پیار سے گٹر گوں گٹر گوں کر کے ان سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔

# ناشکری کا غلاف

میر جواد ٹالپر

نمل کو امیروں کے گھر بچپن سے ہی بے حد پسند تھے۔ شروع شروع میں تو پسندیدگی ایک حد تک تھی، پھر آہستہ آہستہ وہ پسندیدگی حسرت میں بدل گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ ان گھروں کو اندر سے دیکھے کہ وہ کیسے ہیں اور وہاں کے لوگ کیسے ہیں، وہ کیسی زندگی گزارتے ہیں۔ اسکول آتے جاتے ہوئے وہ اکثر یہ دعا کرتی کہ ان گھروں کی چھتیں اور دیواریں اُڑ جائیں، تاکہ وہ اندر کا نظارہ کر سکے۔ کبھی کبھی کسی گھر کا دروازہ کھلا ہوتا تو وہ رکشے سے منہ نکال کر غور سے دیکھتی، لیکن گھر کے پورچ یا لان کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ امیروں کے گھر اندر تک پھیلے ہوتے ہیں، غریبوں کے گھروں کی طرح نہیں کہ دروازہ کھلے اور سارے گھر کا نظارہ ہو جائے۔

دو تین دن پہلے بارش ہوئی تھی، جس کا پانی ابھی تک رکا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہاں سے گزرنے میں بھی دشواری ہوتی تھی۔ رکشہ گلی کے نکڑ پر ہی رُک گیا۔

"انکل آگے تک چلیں۔" رکشے کو گلی کے اندر نہ جاتے ہوئے دیکھ کر اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، رکشہ آگے تک نہیں جاسکتا۔ ایک تو گلی تنگ ہے اوپر سے بارش کا پانی بھی جمع ہوا ہے۔ یہیں اتر جاؤ۔"

وہ منہ بناتی ہوئی رکشے سے اتری۔ بارش کے پانی سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے وہ اپنے گھر تک پہنچی۔ گھر کا دروازہ حسبِ معمول بند تھا۔ ایک تو گرمی اوپر سے گلی کے باہر اترنا پڑا، غصے میں آکر اس نے زور سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"ایک تو پتا نہیں کیا ضرورت ہے دروازے کو بند کرنے کی۔ کون سے خزانے بھرے ہوئے ہیں جو چوری ہو جائیں گے۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ مسلسل دستک دے رہی تھی۔

"کون ہے؟" گھر کے اندر سے آواز آئی۔

"چور! چوری کرنے آئی ہوں۔ دروازہ کھولو، ورنہ توڑ کر اندر آجاؤں گی۔" اس نے غصے سے کہا۔

تبھی دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔

بیڈ پر بیگ پھینک کر وہ وہیں لیٹ گئی اور ایک بار پھر اپنی دنیا میں کھو گئی، جس میں وہ ایک امیر لڑکی ہے اور اس کے حکم بجالانے کے لیے بیس پچیس نوکر ہیں۔ باہر سے اس کے بہن بھائیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ شاید آپس میں لڑ رہے تھے۔ کبھی کبھی اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا، لیکن پھر بھی وہ کمال مہارت سے واپس سے جوڑ لیتی۔ دروازے پر مدھم سی دستک ہوئی۔ اس کی بڑی بہن آئی تھی۔ وہ تین بہنیں اور دو بھائی تھے۔ سب سے بڑی امل، پھر نمل اور اس سے چھوٹے تین بہن بھائی جو کہ پرائمری میں پڑھتے تھے۔ امل کسی اسکول میں ٹیچر تھی۔ باپ کسی دوسرے شہر میں ملازمت کرتا تھا اور خود نمل میٹرک میں تھی۔

"نمل! آؤ بیٹا کھانا کھاؤ۔" اس کی ماں نے کمرے میں آتے پوچھا۔

"مرغِ مسلم ہے یا چکن بریانی۔" نمل نے طنزاً پوچھا۔

"کیا ہوا ہے بیٹا! تم دن بدن چڑچڑی ہوتی جارہی ہو۔ اگر تمہیں آلو کا سالن نہیں پسند تو میں تمہیں انڈا فرائی کر کے دیتی ہوں۔ ہر بار الٹا جواب کیوں دیتی ہو۔" اس کی ماں نے کہا۔

"مما! کب تک ہم یہ آلو اور فرائی انڈے کھاتے رہیں گے۔" نمل نے غصے سے کہا۔

تبھی امل کمرے میں داخل ہوئی۔

"کیا ہوا ہے نمل، بدتمیزی کیوں کر رہی ہو؟"

"امل پلیز! میں اس وقت کسی بھی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" نمل نے کہا۔

"نہیں بیٹا! چھوڑ دو اسے۔ ویسے بھی گرمی بہت ہے، تھک گئی ہو گی۔"

"مما! میں بھی تو گرمی میں آتی ہوں اور یہ تو پھر بھی رکشے میں آتی جاتی ہے جو اسے اسکول اور گھر تک چھوڑتا ہے۔ مجھے تو پہلے بس اسٹاپ پر جانا ہوتا ہے، وہاں پر کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرتی ہوں، پھر بس میں الگ سے خواری۔ میں نے تو کبھی ایسے تیور نہیں دِکھائے۔" امل نے غصے سے کہا۔

"اپنی محرومیوں کا غصہ مجھ پر مت نکالو۔" نمل نے کہا۔

"امل چھوڑو، کیوں جھگڑا شروع کر دیا ہے تم دونوں نے۔"

"مما! آپ بھلے کچھ بھی کر لیں، نمل شکر کی کیفیت سے ناآشنا ہے۔ اسے جو بھی ملے گا، وہ اس سے زیادہ کی چاہ کرے گی۔" امل یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"مما! کیوں ہم کوئی بڑا گھر نہیں لے سکتے؟ کب تک ہم اس دو تین کمروں میں زندگی کے اتنے خوب صورت دن گنواتے رہیں گے۔ دَم گھٹتا ہے میرا اس گھر میں۔" نمل تنگ ہوتے ہوئے بولی۔

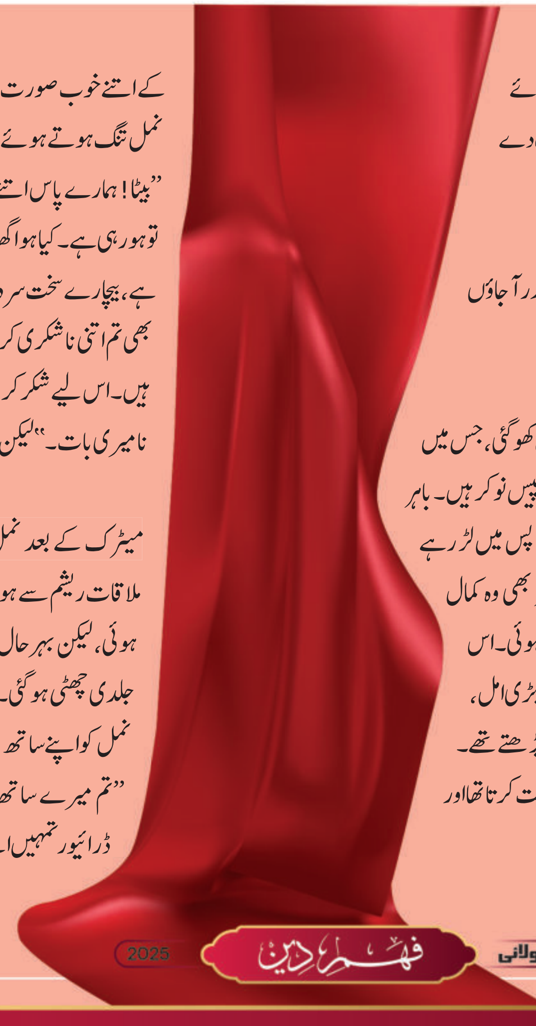

"بیٹا! ہمارے پاس اتنے ذرائع نہیں ہیں کہ یہ سب کر سکیں۔ ہر ضرورت پوری تو ہو رہی ہے۔ کیا ہوا گھر اگر بڑا نہیں ہے، کبھی فٹ پاتھ پر رہتے لوگوں کو دیکھا ہے، بیچارے سخت سردیوں اور گرمیوں میں فٹ پاتھ پر پڑے ہوتے ہیں۔ پھر بھی تم اتنی ناشکری کر رہی ہو، جن نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا جاتا تو وہ چھن جاتی ہیں۔ اس لیے شکر کرنا سیکھو تو اللہ تعالیٰ اور بھی عطا کرے گا۔ نمل سن رہی ہو نا میری بات۔" لیکن نمل تو کب کی سوچ چکی تھی۔

میٹرک کے بعد نمل نے ایک سرکاری کالج میں داخلہ لیا، جہاں پر اس کی ملاقات ریشم سے ہوئی۔ ریشم کا تعلق اپر کلاس سے تھا۔ دوستی تو پتا نہیں کیسے ہوئی، لیکن بہر حال ہو گئی۔ ایک دن مڈٹرم کے رزلٹ کی وجہ سے کالج کی جلدی چھٹی ہو گئی۔ نمل کی فرسٹ پوزیشن تھی اور ریشم کی سیکنڈ۔ ریشم نے نمل کو اپنے ساتھ چلنے کی آفر کی۔

"تم میرے ساتھ میرے گھر چلو، جب کالج کی چھٹی کا وقت ہو گا تب ڈرائیور تمہیں اپنے گھر چھوڑ آئے گا۔"

نمل کی تو دیرینہ خواہش پوری ہو رہی تھی، ایک بڑے سے گھر کو اندر سے دیکھنے کی۔ ریشم کی کار کالج کے باہر شیڈ میں کھڑی تھی۔

"نمل بیٹھو اندر۔" ریشم نے کہا۔

کار کے اندر اے سی فل اسپیڈ پر چل رہا تھا، نمل کو یک دَم اپنا رکشہ یاد آ گیا۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے آئے ہوئے خیال کو جھٹکا۔ کار اب تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ دس منٹ کے بعد کار نے ایک موڑ لیا اور ایک بڑی کشادہ گلی میں داخل ہو گئی، جس میں ایک سے بڑھ کر ایک شاندار اور عالیشان گھر تھے۔ نمل اندر ہی اندر خوش ہو رہی تھی کہ ریشم کا گھر اندر سے پتا نہیں کیسا ہو گا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ تبھی کار ایک جھٹکے سے کسی گھر کے سامنے رُکی۔ وائٹ اور چاکلیٹ کلر کے کمبنیشن سے مزیّن ایک چار منزلہ گھر۔

کار کے دروازے کے سامنے رُکتے ہی براؤن کلر کا دروازہ آٹومیٹکلی دو حصوں میں کھلتا چلا گیا۔ دروازہ کھلتے ہی کار ڈرائیو وے پر چلتی ہوئی ایک حصے میں رُک گئی۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔" ریشم نے نمل سے کہا۔

نمل ریشم کے پیچھے چل پڑی۔ ریشم آگے چلتے ہوئے دائیں طرف مڑ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" نمل نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جو تھوڑا نیچے تھا۔ دو تین سیڑھیاں نیچے اتر کر جانا پڑتا تھا۔

"یہ انیکسی ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے ملازموں کے رہنے کی جگہ۔" ریشم نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

نمل نے دیکھا وہاں پر اے سی کے آؤٹرز لگے ہوئے تھے۔ "ہم سے اچھا تو ان کے ملازموں کے رہنے کی جگہ ہے۔" نمل نے سوچا۔

دائیں طرف ایک پل بنا ہوا تھا، جس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا اور ساتھ میں ہی ایک پانی کا فوارہ تھا، جس کے چاروں طرف پانی کسی آبشار کی طرح بہہ رہا تھا۔

پل سے ہو کر وہ اندر کی طرف جانے لگے۔ پل کے دوسری طرف ایک بڑا سا لان تھا، جس کے کونے میں سوئمنگ پول بنا ہوا تھا۔ نمل وہیں رُک کر سوئمنگ پول کو دیکھنے لگی۔

"ہمیں موقع ہی نہیں ملتا یہاں آنے کا، کبھی کبھی آتے ہیں، مہینے میں ایک دفعہ۔" ریشم نے نمل کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

"کیوں؟ اتنی خوب صورت جگہ تو ہے، میں ہوتی روزانہ آتی۔" نمل نے حسرت سے کہا۔

"ہاں، بس ہم بزی ہوتے ہیں اپنی لائف میں۔" ریشم نے کہا۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔" ریشم نے گھر کا اندرونی دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

گھر جتنا باہر سے خوب صورت تھا، اندر اس سے کئی گنا زیادہ خوب صورت تھا۔ سب سے پہلے لاؤنج تھا، جس میں جدید قسم کا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ دیواروں پر مختلف قسم کی پینٹنگز آویزاں تھیں اور دیواروں میں ہی خانے بنے ہوئے تھے، جس میں خوب صورت، قیمتی شو پیس پڑے ہوئے تھے۔

"یہ اٹلی سے منگوایا ہے، میرا موسٹ فیورٹ ہے۔" ریشم نے ایک شو پیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لاؤنج کے ساتھ ہی تین کمرے تھے۔

"یہ گراؤنڈ فلور ہے، یہاں پر کوئی بھی نہیں رہتا۔" ریشم نے انکشاف کیا۔ نمل کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

وہ گراؤنڈ فلور ہی اتنا بڑا تھا کہ اس کے گھر جیسے دو تین گھر اور بن جاتے۔

"کیوں؟" نمل نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بس، کسی کو یہ نہیں پسند۔ اصل میں یہ پرانے طرز کا بنا ہوا ہے اس لیے۔" نمل نے دیکھا کہ لاؤنج میں اے سی چل رہا تھا۔

"یہ اے سی سارا دن چلتا رہتا ہے۔ اوپر جانے کے لیے یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے تو گرمی نہیں لگے، اس لیے یہ اے سی ہر وقت چلتا رہتا ہے۔" گراؤنڈ فلور پر دونوں طرف سے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جو فرسٹ فلور تک جا رہی تھیں۔

"یہ فرسٹ فلور ہے، یہاں پر موم اور ڈیڈ رہتے ہیں۔" ریشم نے بتایا۔

"چلو میں تمہیں اب اپنا کمرہ دکھاؤں۔" ریشم نمل کو لے کر سیکنڈ فلور پر آ گئی۔

"یہ سیکنڈ فلور ہے، یہاں پر ہم بہن بھائی رہتے ہیں۔"

"یہ میرا کمرہ ہے۔" ریشم نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

تبھی نمل کی نظر راہداری کے آخر میں وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے وجود پر پڑی۔

"وہ کون ہے؟" نمل نے پوچھا۔

"میرا چھوٹا بھائی ہے۔ بچپن میں ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے یہ سب ہو گیا، اب چل نہیں سکتا۔" ریشم نے بتایا۔

کیا نہیں تھا اس کے پاس، ہر چیز، بڑا خوب صورت گھر، لیکن ایک معذوری نے اس سے اس کی ساری خوشیاں چھین لی تھیں۔ تبھی پہلی دفعہ نمل نے اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

"یہ کومل کا کمرہ ہے، میری بڑی بہن۔" ریشم یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی، لیکن کمرے سے آتی چیخوں کی آواز سے نمل کے قدم وہیں رُک گئے۔

"کومل کو شیزوفرینیا ہے۔ ٹریٹمنٹ چل رہا ہے، لیکن کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہے، جس کے باعث وہ چیخنا شروع کر دیتی ہے۔" ریشم نے بتایا۔ نمل کو لگا جیسے وہ اب کبھی ہل نہیں سکے گی۔ اصلی امیر تو وہ تھی، جس کی جسمانی صحت اور ذہنی صحت دونوں ہی صحیح سلامت تھیں، لیکن اس نے کبھی اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ ہمیشہ امیری کو وہ دولت کے ترازو میں ناپتی تھی، لیکن آج اس کی سوچ کے نئے در وا ہوئے تھے۔

نمل کو اب وہاں گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

"تھرڈ فلور پورا بنا ہوا ہے، لیکن وہاں بھی کوئی نہیں رہتا۔ باقی فورتھ فلور پر خالی چھت ہے۔" ریشم بتا رہی تھی، لیکن نمل کو بس اتنا بڑا گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ ایک دَم سے باہر کی طرف بھاگی۔

"کیا ہوا نمل؟ کہاں جا رہی ہو۔" ریشم اس کے پیچھے آئی۔

"گھر۔۔۔!" نمل نے کہا اور سیڑھیاں اترتی لاؤنج سے گزرتی ہوئی باہر آ گئی۔

"ہاں تو کار میں ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

"نہیں، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" نمل نے کہا اور گیٹ عبور کر گئی۔

باہر آ کر اس نے رکشہ روکا اور اس میں سوار ہو گئی۔ آج پہلی دفعہ رکشے میں بیٹھ کر ان بڑے گھروں کو دیکھ کر اس کا دل نہیں کیا ان گھروں میں رہنے کا۔ پہلی دفعہ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ جس حال میں بھی ہے، لیکن جسمانی اور ذہنی صحت مند تو ہے جو نعمت اس کے پاس تھی اس کا کوئی مول ہی نہیں تھا۔

گھر پہنچ کر اسے شکرانے کے نوافل بھی تو پڑھنے تھے کہ وہ ٹھوکر لگنے سے پہلے ہی صحیح راستے پر آ گئی۔ ناشکری کا غلاف جو اس کے دل پر چڑھا ہوا تھا وہ اتر گیا تھا۔ اس کی حسرتیں خواہشوں میں بدلیں، لیکن خواہشیں جنون میں بدلنے سے پہلے ہی شکر میں بدل گئیں۔۔۔

# بچوں کے فن پارے

اسما کنول 14 سال لاہور

حمدہ حسن 11 سال کراچی

عائشہ محسن 9 سال فورٹ عباس

زینب ناصح 7 سال کراچی

عنایا 8 سال کراچی

عفراء حسن 9 سال کراچی

محمد حارث 13 سال اسلام آباد

عنبر عروج ، شنکیاری مانسہرہ

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ خانیوال سے **کنزہ فاطمہ** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

# ماہنامہ فہم دین

# جولائی 2025ء کے سوالات

سوال 1: للچانا کے کیا معنی ہیں؟

سوال 2: اطہر نے جیسے ہی نو ذوالحجہ کا روزہ رکھنے کا عزم ظاہر کیا تو کیا ہوا؟

سوال 3: پاکستان کفار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کیوں چبھتا ہے؟

سوال 4: کسی بھی کام میں ڈنڈی مارنے کا مطلب فرحانہ کو کیا لگتا تھا؟

سوال 5: خلل کیا ہوتا ہے؟

---

یہ سوالات جون 2025 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔
جوابات کی آخری تاریخ 15 جولائی 2025ء ہے

# جون 2025ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: دوسروں کے لیے کچھ کرنا ہمیں حقیقت میں مکمل بناتا ہے

جواب 2: تایا جان

جواب 3: نماز

جواب 4: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

جواب 5: اپنا یونیفارم

# شجرکاری کا موسم

پیارے بچو!
کیا آپ جانتے ہیں کہ درخت قدرت کا خزانہ ہیں! درخت ہمیں سایہ دیتے ہیں، ہوا کو صاف کرتے ہیں، پھل، پھول اور لکڑی دیتے ہیں، پرندوں کا گھر بنتے ہیں اور زمین کو خوبصورت بناتے ہیں۔
جولائی کا مہینہ بارشوں کا پیغام لاتا ہے اور یہی وقت ہے شجرکاری کا!
اگر آپ نے اس مہینے صرف ایک پودا بھی لگایا اور اس کی دیکھ بھال کی تو گویا آپ نے زمین پر ایک قیمتی خزانے کا اضافہ کر دیا۔
تو آئیں! اس بار اپنی گرمیوں کی چھٹیاں درختوں کے نام کریں۔ زمین اور جنت دونوں کو درختوں سے سجائیں۔
اب ایک پیاری سی حدیث بھی سن لیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سبحان اللہ والحمد للہ ولا إلہ إلا اللہ واللہ اکبر کہا کرو تو ہر ایک کلمہ کے بدلے تمہارے لیے جنت میں ایک درخت لگا یا جائے گا۔"
اور ہاں! چلتے چلتے یہ بھی ذکر ہو جائے جون 2025ء میں نئے اسلامی سال 1447ھ کا آغاز ہو چکا ہے، اسے قمری اور ہجری سن بھی کہا جاتا ہے، ہمیں اسلامی مہینوں کے نام بھی یاد ہونے چاہییں، جیسے ہم جنوری فروری وغیرہ کی تاریخیں یاد رکھتے ہیں اسی طرح قمری تاریخیں بھی یاد ہونی چاہییں، امید ہے آپ اس طرف بھی توجہ دیں گے ان شاء اللہ!

**جون 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر اسلام آباد سے صائمہ سلیم کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں**

# بلاعنوان کا عنوان

جون 2025ء کے ماہ نامہ فہم دین میں **تنزیلہ احمد** کی بلاعنوان کہانی شائع ہوئی تھی، اس کہانی کو عنوان دینے کی مہم میں متعدد قارئین نے حصہ لیا **اوکاڑہ** سے **صدف حبیب** کا عنوان بہترین قرار پایا، انھیں انعام مبارک ہو، ان کا عنوان تھا: **ایک سال چار رنگ**

# سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:
tabeer1387@gmail.com
+923351135011

# ہجرتِ نبوی

حافظہ وسطی چودھری
حافظہ سویرا چودھری

تخیل میں وہ لمحہ ہے کہ دل بے چین ہو جائے
یہ آنکھیں بھیگ سی جائیں، سکونِ جاں بھی کھو جائے

زمیں پر جبر پھیلا تھا، فضا میں بو ستم کی تھی
گھڑی آقا کے یاروں پر، بڑے رنج والم کی تھی

نبی نے حق سنایا اور، علم پھر سچ کا لہرایا
مذمت کی بتوں کی اور تعارف رب کا کروایا

نہیں ہے باپ بھی اس کا، نہ بیوی اور بھائی ہے
یہ دنیا بھی تو اس رب نے اکیلے ہی بنائی ہے

نہ ہمسر کوئی اس کا ہے، خدائے پاک وہ یکتا
سنا کفارِ مکہ نے، ہوا پھر ان پہ تھا سکتہ

نبی جی کی زباں سے، ان کو ذکرِ حق نہ بھاتا تھا
رسالت کی جو باتیں تھیں، وہ سن کر طیش آتا تھا

وہ مشرک اور کافر سنگدل جاہل تھے سارے ہی
بڑے آپس میں ذو معنی کیا کرتے اشارے بھی

صحابہ پر وہ ہنستے تھے، تمسخر خوب اڑاتے تھے
ستم گر سب ہی وہ مل کر، نبی کا دل دکھاتے تھے

جو گر اسلام لے آتا، بہت اس کو ستاتے تھے
کبھی تھے اس کو تڑپاتے، کبھی اس کو رلاتے تھے

مظالم میں تو وہ کافر ہر اک حد پار کرتے تھے
اذیت اور تکلیفوں سے بھی دوچار کرتے تھے

ادھر اصحاب جتنے تھے، وہ سب آزار سہتے تھے
علی الاعلان ہی وہ سب، خدا کو ایک کہتے تھے

مگر سب کچھ یہ ان کے دشمنوں کو کب گوارا تھا؟
عداوت جن کے سینوں میں، زبانوں پر شرارہ تھا

جہالت کا یہ عالم تھا کہ ہر دم سازشیں کرتے
ہزاروں کوششوں سے وہ دلوں میں زہر تھے بھرتے

خدا کے حکم پر اصحاب نے ہجرت کی ٹھانی تھی
سبھی کچھ چھوڑ ڈالا تھا، بھلا دی راج دھانی بھی

ادھر کفارِ مکہ نے سنی جب بات ہجرت کی
لگا کر زور سارا ہی بہت کھل کر عداوت کی

یوں بیٹھے مل کے دارالندوہ کے اندر وہ سارے ہی
اکٹھے ہو گئے اک جا، وہ بدبختی کے مارے ہی

ہر اک دشمن ارادہ ساتھ تھا ناپاک ہی لایا
بدل کر بھیس اس محفل میں پھر شیطان بھی آیا

کہا شیطان نے تدبیر میں ایسی بتاتا ہوں — نہیں ناکام تم ہوگے، میں ایسی رہ دکھاتا ہوں
معاذ اللہ! نبی کے قتل کی پھر ہوئی سازش تھی — وہیں پر مصطفیٰ پر رب تعالیٰ کی نوازش تھی
علی بستر پہ آقا کے، عجب وہ رات تھی آئی — نبی نے جب خدا کے حکم سے ہجرت تھی فرمائی
زمیں ساکت، فلک حیران، ان دونوں کو تکتے تھے — قدم صدیق کے جس دم نبی کے ساتھ اٹھتے تھے
غلافِ شب میں لپٹے دو مسافر ساتھ چلتے تھے — دلوں میں پکڑے جانے کے ہزاروں وہم پلتے تھے
وہیں اک نام ہے جس سے، دل وجاں کو بھی قوت ہے — فقط نامِ خدا میں ہی، تو راحت اور ہمت ہے
رفیقِ خاص نے واللہ! عجب ہی شان پائی ہے — فضائل اور محاسن پر ہوئی شاہد خدائی ہے
ھتا ان کو سانپ نے کاٹا، رہے خاموش وہ لیکن — وفا کا وہ جو منظر تھا بیاں کرنا نہیں ممکن
فقط اس دم سکونِ مصطفیٰ ہی کے تھے وہ طالب — مگر تکلیف کی شدت سے آنسو آگئے غالب
گرے جب اشک آنکھوں سے تو فوراً آپ نے دیکھا — لعابِ پاک کا مرہم، تھا زخمِ یار پر رکھا
وہ یارِ غار ہوتے ہیں، بڑے دلدار ہوتے ہیں — نبی کے سنگ جاگے تھے، نبی کے سنگ سوتے ہیں
ابھی تک عشق کی خوشبو ہے غارِ ثور سے آتی — یہاں ٹھہرے تھے آقا اور ان کے دل ربا ساتھی
پھر اس پتھر کے دامن میں، جو غارِ ثور کہلایا — حفاظت کو خدا نے جالا اک مکڑی سے بنوایا
ابھی کچھ پل ہی گزرے تھے، تعاقب میں عدو آئے — وہیں صدیق لرزے تھے، جو دیکھے سامنے سائے
وہ جو بس مصطفیٰ کا سوچ کر، پرخوف تھے واللہ — تو فرمایا "نہ غم کرنا، ہمارے ساتھ ہے اللہ"
خدا حامی ہو خود جس کا، اسے پھر خوف کیوں کر ہو؟ — نہ مرنے سے وہ گھبرائے، نہ باطل کا اسے ڈر ہو
تحفظ کا انہیں رب نے نظارا یوں دکھایا تھا — ہوئے دشمن تھے پھر واپس، نظر کچھ بھی نہ آیا تھا
ادھر اہلِ مدینہ سب نبی کی راہ تکتے تھے — بڑی شدت سے رہتے منتظر، بالکل نہ تھکتے تھے
کرم پھر ہو گیا ان پر، کہ ان میں آگئے ہادی — نبی کا لمس پاتے ہی مہکنے لگ گئی وادی
بڑے سرشار چہرے تھے، صدا پھر مرحبا کی تھی — ہوئی آمد مدینے میں، جو محبوبِ خدا کی تھی
سویرا اور وُسطیٰ کو عطا ایسی عقیدت ہو — صحابہ سے بھی الفت ہو، مدینے سے محبت ہو

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رضی اللہ عنہم

# گلدستہ

ترتیب و پیشکش: محمد عادل فاروقی

## حمدِ باری تعالیٰ

تو ہی ابتدا، تو ہی انتہا، تری شان جل جلالہ
تو ہی دو جہاں کا ہے مدعا، تری شان جل جلالہ

کہوں کیا میں اس کے سوا؟ تری شان جل جلالہ
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا، تری شان جل جلالہ

تری عظمتوں کا نشان ہیں، تری رفعتوں کا بیان ہیں
یہ شجر، حجر، یہ چمن، گھٹا، تری شان جل جلالہ

یہ جمال حسن و شباب سب، یہ تجلیاں، یہ گلاب سب
یہ چمک ہے کیا، یہ دمک ہے کیا، تری شان جل جلالہ

تری خوشبوئیں، تری نکہتیں، ہمہ جہت ہیں تری آیتیں
جہاں رخ کیا، تھا یہی لکھا، تری شان جل جلالہ

تو جلیل بھی، تو رحیم بھی، تو بے نیاز، کریم بھی
ہے بشر کا ہادی و رہنما، تری شان جل جلالہ

کہیں کو بہ کو، کہیں سو بہ سو، کہیں یم بہ یم، کہیں جو بہ جو
تری رحمتوں کا ہے سلسلہ، تری شان جل جلالہ

یہ مقام ناز و نیاز ہے، ترا لطف بندہ نواز ہے
ترے در کا رومی ہے اک گدا، تری شان جل جلالہ

شاعر: خالد رومیؔ

## نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

آتے ہیں نگاہوں میں طیبہ کے مناظر
پھر اِذنِ حضوری کو ترستی ہیں یہ آنکھیں

روضے پر نظر پڑتے ہی جھک جاتی ہیں نظریں
آداب کی منزل کو سمجھتی ہیں آنکھیں

ہوتا ہے تصور میں جو دیدارِ مدینہ
یادوں کے جزیرے میں بھٹکتی ہیں یہ آنکھیں

ہم سیرتِ سرکار کو آئینہ بنالیں
بے شک اسی شیشے میں سنورتی ہیں یہ آنکھیں

کرتا ہوں اگر یاد کبھی جنگِ اُحد کو
اُمید کی کرنوں سے چمکتی ہیں یہ آنکھیں

ہوتا ہے جمیل آپ کے پلکوں پہ چراغاں
رہ رہ کے عقدیت سے چھلکتی ہیں یہ آنکھیں

جمیل عظیم آبادیؔ

## دین کس چیز کا نام ہے؟

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے، دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ دین صرف زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی، یہی سب کام جو اب تک تم انجام دے رہے تھے، وہ سب عبادت بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائیں گے، بشرطیکہ دو کام کرلو۔۔۔ایک نیت درست کرلو، دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دے دو۔
بس اتنا کرنے سے وہی کام دین بن جائیں گے اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویۂ نگاہ بدل دیتے ہیں، سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال وافعال کا رُخ صحیح ہو جاتا ہے۔

(ارشاداتِ اکابر، محمد اسحاق ملتانی، ص:173)

## صاحبِ نسبت کون ہوتا ہے؟

رضائے تامہ کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو اللہ کی کامل رضا حاصل ہو جائے نہ کہ جز وقتی، مثلاً جب کوئی گناہ گار گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، لیکن جب وہی بندہ کوئی نیکی کرتا تو اس پر راضی بھی ہوتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک گناہ گار کے نیک عمل پر راضی تو ہوئے ہیں، لیکن اس بندے کے عمل کے بقدر وقتی رضا حاصل ہوئی ہے، نہ کہ کامل رضا ملی ہے۔ رضائے تامہ اُس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی محنت کرکے اپنی اصلاح کر چکا ہو۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ ایسے ہی بندے کو صاحبِ نسبت کہتے ہیں۔

(رہے سلامت تمہاری نسبت، پیر ذوالفقار نقشبندی، ص:19)

# اشعار

الفاظ گرا دیتے ہیں جذبات کی قیمت
ہر بات کو الفاظ میں تولا نہیں کرتے
علامہ اقبال

ہوئی ہے جب سے مخالف ہوا زمانے کی
مجھے بھی ضد سی ہوئی ہے دِیا جلانے کی
اشفاق احمد

یہ دیس ہے اندھے لوگوں کا
اے چاند! یہاں نہ نکلا کر
حبیب جالب

میں اپنی ذات میں نیلام ہو رہا ہوں قتیلؔ
غمِ حیات سے کہہ دو خرید لائے مجھے
قتیلؔ شفائی

وقت جنھیں رُک رُک کے دیکھتا رہتا ہے سلیمؔ
یہ کبھی وقت کی رفتار ہوا کرتے تھے
سلیم کوثر

سناٹا بولتا ہے صدامت لگا نصیرؔ
آواز رہ گئی ہے سماعت نہیں گئی
نصیرؔ ترابی

گئے دنوں کا سراغ لے کر
کہاں سے آیا کہاں گیا وہ
ناصر کاظمی

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے
مرزا غالب

# ایک لکڑہارے کا قصہ

حضرت سلیمان علیہ السّلام کا تخت جو کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا، جس کو جنات ہوا میں لے کر چلتے تھے، پرندوں کا سایہ ہوتا تھا اور کتنی ہی مخلوقات ساتھ ساتھ چلتی تھیں، اس شاہانہ آب و تاب کے ساتھ تختِ سلیمانی اُڑا جا رہا تھا کہ اسے دیکھ کر جنگل میں ایک لکڑہارے کے منہ سے بے اختیار نکل گیا: "سبحان اللہ! آلِ داؤد کی کیا شان و شوکت ہے۔" ہوا نے فوراً یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السّلام تک پہنچا دی۔ حضرت نے تخت اُتارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "اسی لکڑہارے کے پاس لے چلو۔" لکڑہارا تھر تھر کانپنے لگا کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا: "تم نے کیا کہا تھا؟" اس بے چارے کو خوف کی وجہ سے یاد بھی نہ رہا تھا، کچھ دیر سوچ کر کہا کہ "میں نے تو صرف یہی کہا تھا: "سبحان اللہ! آلِ داؤد کی کیا شان ہے۔" حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ "تجھے لشکرِ سلیمانی دیکھ کر رشک آیا، لیکن تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ تو نے جو سبحان اللہ کہا تھا اس کے سامنے ایسے ہزاروں لشکروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تجھے معلوم بھی نہیں کہ صرف ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے تجھے کتنا اونچا مقام مل گیا ہے۔"

(جنت کا آسان راستہ، مفتی رفیع عثمانیؒ، ص:23)

# ایک شخص کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دوستی

ایک شخص کے ساتھ دوستی تھی عزرائیل علیہ السلام کی، کہنے لگے: "یار! تمہارے ساتھ دوستی ہے، کبھی اس دوستی کا حق بھی ادا کرو گے!" کہنے لگے: "جیسے کہو! دوست جو ہوئے۔" کہنے لگے کہ "جب میرے جانے کا وقت ہو تو مجھ بتا دینا، تاکہ میں اپنی تیاری کر لوں۔" کہنے لگے: "بہت اچھا!" ایک دن تشریف لائے، فرمانے لگے: "چلیے!" کہا: "کدھر چلیں۔" کہنے لگے: "جہاں جانا ہے سب کو اُدھر چلیں۔" کہا کہ "آپ نے تو میرے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ آپ میرا وقت آنے سے پہلے مجھے مطلع کر دیں گے، تاکہ میں اپنی تیاری کر لوں۔" فرمایا: "میں نے مطلع تو کیا تھا، لیکن آپ سمجھے نہیں۔۔۔ میں نے آپ کو آگاہ کیا تھا، لیکن آپ نے سوچا ہی نہیں، سمجھا ہی نہیں۔" کہنے لگے: "کب کیا تھا؟" کہنے لگے: "ایک دن میں پڑوس میں آیا تھا، ایک دن ادھر آیا تھا، ایک دن سامنے والے مکان پر آیا تھا، ایک دن پیچھے والے مکان پر آیا تھا، آتا رہا تھا کہ نہیں آتا رہا تھا؟" کہا کہ "ہاں! آتے رہے تھے۔" فرمایا: "میں اسی طرح بتایا کرتا ہوں، میں جب بھی بتاتا ہوں اسی طرح بتاتا ہوں۔"

(اصلاحی مواعظ، مولانا یوسف لدھیانویؒ، ج:2، ص:164)


# ایک لکڑہارے کا قصہ

حضرت سلیمان علیہ السّلام کا تخت جو کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا، جس کو جنات ہوا میں لے کر چلتے تھے، پرندوں کا سایہ ہوتا تھا اور کتنی ہی مخلوقات ساتھ ساتھ چلتی تھیں، اس شاہانہ آب و تاب کے ساتھ تختِ سلیمانی اُڑا جا رہا تھا کہ اسے دیکھ کر جنگل میں ایک لکڑہارے کے منہ سے بے اختیار نکل گیا: "سبحان اللہ! آلِ داؤد کی کیا شان و شوکت ہے۔" ہوا نے فوراً یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السّلام تک پہنچا دی۔ حضرت نے تخت اُتارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "اسی لکڑہارے کے پاس لے چلو۔" لکڑہارا تھر تھر کانپنے لگا کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا: "تم نے کیا کہا تھا؟" اس بے چارے کو خوف کی وجہ سے یاد بھی نہ رہا تھا، کچھ دیر سوچ کر کہا کہ "میں نے تو صرف یہی کہا تھا: "سبحان اللہ! آلِ داؤد کی کیا شان ہے۔" حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ "تجھے لشکرِ سلیمانی دیکھ کر رشک آیا، لیکن تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ تو نے جو سبحان اللہ کہا تھا اس کے سامنے ایسے ہزاروں لشکروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تجھے معلوم بھی نہیں کہ صرف ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے تجھے کتنا اونچا مقام مل گیا ہے۔"

(جنت کا آسان راستہ، مفتی رفیع عثمانیؒ، ص:23)

# بیت السلام کی بڑی وقف قربانی
# 1446ھ 2025ء

## تصاویر کے آئینے میں

رپورٹ: فیضان الحق | عکاسی: احمد سلطان

سال ہائے گزشتہ کی طرح اس سال بھی بیت السلام نے وقف اجتماعی قربانی کا اہتمام کیا، ہزاروں اہل خیر نے اس میں حصہ لیا، بیت السلام کے رضاکاروں نے ملک کی دور دراز اور پس ماندہ بستیوں میں گوشت تقسیم کیا، لاکھوں افراد وقف قربانی کے گوشت سے مستفید ہوئے۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوٰۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

J.
FRAGRANCES
JANAN
Intense
JANAN
Intense
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed